قرآن مجید میں حروف اَضداد کا علمی جائزہ (حصہ اول)

Azdad in the Holy Quran: A research overview (Part: 1)

سراج الاسلام حنیف[i] سعید الرحمان[ii]

Abstact

This article discussed literary and contextual meaning of "Azdad".More over,this will high light historical background,origin,impartnat concepts, writing etc. number of Azdad in the Holy Quran have been identified with concrete examples, Besides Arabic Grammer,sytax, structure and diction hace also been evaluated with refercen to Azdad.

ضِدٌّ کے معنی

ایسے الفاظ جن کے عرب ماہرین لسانیات کی تعریف کے مطابق دو معنی ہوں جو ایک دوسرے کے برعکس ہوں، مثلاً بَاعَ، جس کے معنی بیچنا بھی ہیں اور خریدنا بھی۔ لفظ ضِدٌّ بھی الفاظ کے اسی زمرہ میں شامل ہے، کیونکہ لاَضِدَّلَہُ جیسے جملوں میں اس کے معنی "برعکس" کے نہیں، بلکہ "برابر" کے ہیں۔

علامہ ابن فارِس لکھتے ہیں:

المخالف والمثل، یقال: هو ضده، أي: مثله ومخالفه، والعدو، والضد: کل شیئ ضادشیئاً لیغلبه، وضد الشیئ: الذي یضاده ویخالفه، وجمعه: أضدادٌ، و المتضادان: شیئان لا یجتمعان کاللیل و النهار[1].

"مخالف و مثل کو کہتے ہیں۔ ھو ضدہ کے معنی ہیں: اُس کا مثل، مخالف اور دشمن۔ ضد کسی چیز کا ایسا مقابل جس پر غلبہ پانے کی کوشش کرے، اُس کا مخالف، مقابل اور حریف، اس کی جمع اَضداد ہے، اور دو متضاد چیزیں وہ ہیں، جو کبھی آپس میں ملنے نہ پائیں، جیسے شب و روز۔"

---

i اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، عبدالولی خان یونیورسٹی، مردان

ii لیکچرر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، عبدالولی خان یونیورسٹی، مردان

اس فن میں لکھنے والے

قطرب: کتاب الأضداد

محمد بن مستنیر بن احمد ابو علی، نحوی اور لغت وادب کے ماہر عالم تھے۔ اہل بصرہ میں سے تھے۔ لغت میں مثلث ان کی وضع کردہ ہے۔ معتزلہ کے نظامی گروہ سے تعلق تھا۔ ۲۰۶ھ / ۸۲۱ء کو وفات پائی[2]۔

اصمعی: کتاب الأضداد

عبد الملک بن قُریب بن علی بن اصمع الباہلی، ابو سعید الاصمعی، راویۃ العرب تھے۔ لغت، شعر اور جغرافیہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ اپنے جد اعلیٰ اَصمع کی طرف نسبت ہے۔ بصرہ میں ۱۲۲ھ / ۷۴۰ء کو پیدا ہوئے۔ رَاوِیۃ العرب سے مشہور ہیں۔ اکثر وبیش تر دیہات کے چکر کاٹتے رہتے جہاں سے علوم واَخبار جمع کرتے۔ ہارون الرشید اُنہیں شیطان الشعر کہتے تھے۔ ۲۱۶ھ / ۸۳۱ء کو بصرہ ہی میں وفات ہوئی[3]۔

التوزی: کتاب الأضداد

عبد اللہ بن محمد بن ہارون، تُوَّزی ابو محمد، مولی قریش، لغت کے بہت بڑے امام تھے۔ ۲۳۳ھ کو وفات پائی[4]۔

ابوذکوان: کتاب الأضداد

قاسم بن اسماعیل، ابوذکوان الراویۃ، امام سیرافی کہتے ہیں کہ مبرد کے زمانہ میں ایک جماعت ایسی تھی، جنہوں نے سیبویہ کی کتاب پر (ناقدانہ) نظر ڈالی، لیکن اُنہیں اس فن میں مہارت وملکہ حاصل نہیں تھا، جن میں سے ایک ابوذکوان بھی تھے، جو تُوَّزی کے ربیب تھے، علامہ اور مؤرخ تھے۔ کئی اہل علم سے استفادہ کیا[5]۔

ابن السکیت: کتاب الأضداد

یعقوب بن اسحاق، ابو یوسف، ابن السکیت، لغت وادب کے امام تھے۔ خوزستان سے تعلق تھا جو بصرہ اور فارس کے درمیان میں واقع ہے۔ بغداد میں علم حاصل کیا۔ سال پیدائش ۱۸۶ھ اور سال وفات ۲۴۴ھ ہے[6]۔

ابو حاتم سجستانی: کتاب الأضداد

سہل بن محمد بن عثمان، سجستانی، نحوی، لغوی، مقرء، نزیل بصرہ اور وہاں کے عالم تھے۔ علوم آداب کے ماہر عالم ہیں۔ اپنے ہم عصروں، جیسے ابو بکر محمد بن درید اور مبرد وغیرہ کے استاذ رہے

ہیں، جو لغت و شعر کے بڑے عالم گزرے ہیں۔ کچھ اوپر تیس کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۲۴۸ھ کو وفات پائی[7]۔

المبرد: کتاب الأضداد

محمد بن یزید بن عبد الاکبر ثمالی ازدی، ابو العباس، المعروف بالمبرد، ادب و تاریخ کے ماہر عالم تھے۔ اپنے زمانہ میں بغداد کے سب سے بڑے امام عربیت تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ۲۱۰ھ کو بصرہ میں پیدا ہوئے اور ۲۸۶ھ کو بغداد میں وفات پائی[8]۔

ابو بکر ابن الانباری: کتاب الأضداد

محمد بن قاسم بن محمد بن بشار، ابو بکر الانباری، اپنے زمانہ میں ادب و لغت کے بہت بڑے عالم تھے۔ اشعار و تاریخ کے گویا حافظ تھے۔ تین سو ہزار شواہد قرآنی زبانی ازبر تھے۔ ۲۷۱ھ کو دریائے فرات پر واقع انبار میں پیدا ہوئے اور بغداد میں ۳۲۸ھ کو وفات پائی[9]۔

ابو محمد، ابن دُرُستوَیہ: کتاب الأضداد

عبد اللہ بن جعفر بن محمد بن درستویہ بن مرزبان، ابو محمد، علماءِ لغت میں سے ہیں۔ فارسی الاصل اور فسوی تھے۔ بغداد میں رہائش تھی اور اپنی وفات ۳۴۷ھ تک وہیں رہے[10]۔

ابو البرکات الانباری: الأضداد

عبد الرحمن بن محمد بن عبید اللہ انصاری، ابو البرکات کمال الدین الانباری، علماء لغت و ادب اور تاریخ رجال میں سے تھے۔ نہایت تنگ دستی کی زندگی گزارتے تھے۔ کسی سے کبھی کوئی چیز وصول نہیں کی۔ بغداد میں رہائش تھی اور وہیں ۵۷۷ھ کو وفات پائی[11]۔

ابن الدہان البغدادی: الأضداد

سعید بن المبارک بن علی بن عبد اللہ انصاری، ابو محمد، لغت و ادب کے عالم تھے۔ بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ موصل کو منتقل ہوئے، جہاں ۵۶۹ھ کو وفات پائی[12]۔

الصغانی: کتاب الأضداد

حسن بن محمد بن حسن بن حیدر العدوی العمری الصاغانی الحنفی، رضی الدین، اپنے زمانہ میں لغت کے سب سے ماہر عالم تھے۔ ۵۷۷ھ کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ غزنہ (بلاد سندھ) میں پلے بڑھے فقیہ اور محدث تھے ۶۵۰ھ کو وفات پائی[13]۔

ابو عبیدۃ: کتاب الأضداد

معمر بن مثنی، تیمی بالولاء، بصری، ابو عبیدۃ، النحوی، علم ادب و لغت کے ائمہ میں سے تھے، اُن کی پیدائش اور وفات بصرۃ کی ہے۔ حفاظِ حدیث میں سے تھے۔ امام ابن قتیبۃ لکھتے ہیں کہ عربوں سے عداوت رکھتے تھے اور اُن کے مثالب پر مشتمل کتابیں لکھیں، اور اُن کی وفات پر اہل علم میں سے کوئی اُن کے جنازہ پر حاضر نہ ہوئے، اس لیے کہ آپ اپنے معاصرین کی نہایت سختی سے تردید کرتے رہے ہیں[14]۔

قرآن مجید میں حروف اَضداد

اَحْوَیٰ

حُوَّۃٌ سے ماخوذ ہے۔ سبزی مائل سیاہی، گہری سبزی، لوہے کے رنگ جیسا رنگ، یعنی سرخی جو مائل بہ سیاہی ہو۔ اس کا مؤنث حَوَّاءٌ ہے[15]۔

وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی فَجَعَلَه غُثَاءً اَحْوٰی[16] "اور وہ جس نے چارہ نکالا پھر اُس کو خشک چُورا کر دیا۔"

اس آیت کریمہ میں أحْوی کا ترجمہ عام طور پر کالا کوڑا یا سیاہ خس و خاشاک سے کیا جاتا ہے لیکن عربی زبان میں یہ لفظ اَضداد میں سے ہے، جو سیاہی مائل سرخی یا سبزی کے لیے بھی آتا ہے، جو کسی شے پر اُس کی تازگی، شادابی، زرخیزی اور جوش نمو کے سبب سے نمایاں ہوتی ہے، یہ نباتات اور باغوں کی صفت کے طور پر بکثرت استعمال ہوا ہے اور اکثر و بیشتر اُن کی سرسبزی کی شدت اور گھنے پن کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور پھر یہیں سے یہ استعارہ کے طور پر کڑیل اور صحت مند گل تر کی صورت کھلے ہوئے جوان کے لیے بھی استعمال ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جن کی صحت بہت اچھی ہو اور اُن کے بدن میں خونِ وافر ہو اُن کے ہونٹوں پر سیاہی مائل سرخی نمایاں ہوتی ہے، چنانچہ ایک جاہلی شاعر اپنے ممدوح کی تعریف میں کہتا ہے کہ:

مُسْبَلٌ فِي الحَيِّ، أَحْوىٰ، رِفَلٌ وإذا یغزوا فسِمعٌ أُزَلٌ "یوں قبیلہ کے اندر تو وہ ایک خوش پوش: سرخ و سپید بانکا چھبیلا بنا رہتا ہے، لیکن جب میدان جنگ میں اترتا ہے تو شیر نیستاں بن جاتا ہے۔"

امام رازی لکھتے ہیں:

فی أحوی قولان،أحدهما:أنه نعت الغثاء أی:صار بعدالخضرةیابساًفتغیّر الی السواد---والقول الثانی: وهواختیارالفراء وأبی عبیدة، وهوأن یکون الأحویٰ هوالأسود لشدة خُضرته ، والتقدیر:الذی أخرج المرعَی أحوَی فجعله

غثاءً، كقوله: وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهُ عِوَجًاقَيِّمًا[17] . أي: أنزل قيما، ولم يجعل له عوجاً[18].

" یہاں دو قول ہیں ایک یہ کہ اَحْویٰ غُثَاءً کی صفت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن نباتات کو خشک سیاہ کر دیا، خواہ یہ سیاہی بوجہ خشکی کے ہو، یا سیلاب یا غبار سے، دوم یہ کہ اَحْویٰ مقدم ہے، یعنی مَرْعیٰ کو اَحْویٰ پیدا کیا، یعنی شدتِ سبزی سے سیاہی مائل ہے، پھر اُس کو غُثَاءً (خشک) کر دیا[19]۔"

مزید تفصیل ابن الانباری کی کتاب الاضداد ۳۵۲-۳۵۳، برقم: ۲۳۶۔۔۔ زمخشری کی کشاف ۴ :۷۳۸ اور ابو حیان کی تفسیر البحر المحیط ۸ :۴۵۸ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

إذْ

امام ابن الانباری لکھتے ہیں کہ:

إذوإذاحرفان من الأضداد، تكون إذ للماضي، وإذا للمستقبل، وهذا هو المشهور فيهما، وتكون إذ للمستقبل، وإذاللماضى إذاشُهِرالمعنى و لم يقع فيه لَبس[20].

"اِذ اور اِذا اَضداد میں سے دو حرف ہیں، جن میں سے اِذ ماضی اور اِذا مستقبل کے لیے مستعمل ہے اور یہ ان دونوں کے بارے میں مشہور قاعدہ ہے البتہ کبھی کبھی جب معنی مشہور ہوں اور التباس کا کوئی موقع نہ ہو تو اس کے برعکس بھی (اذ مستقبل اور اِذا ماضی کے لیے) استعمال کیا جاتا ہے۔"

امام ازہری لکھتے ہیں کہ:

العرب تضع إذ للمستقبل وإذاللماضى[21]۔ "عرب اِذ کو مستقبل اور اِذا کو ماضی کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔"

اور یہ قرآن مجید میں دو متضاد معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

1) بمعنی ماضی:

وَاِذْقَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِه اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً[22] "اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔"

2) بمعنی مستقبل:

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ[23] "جب اللہ کہے گا: اے عیسیٰ ابن مریم!"

وَلَوْ تَرٰی اِذْ فَزِعُوْا فَلاَ فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّکَانٍ قَرِیْبٍ[24] "اور اگر تم دیکھ پاتے جب اُن پر گھبراہٹ طاری ہوگی پس وہ کہیں نہ بھاگ سکیں گے۔"

وَلَوْتَرٰی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّھِمْ[25] "اور اگر تم اُس وقت کو دیکھ پاتے جب کہ (یہ) ظالم اپنے رب کے حضور کھڑے کیے جائیں گے۔"

امام ابن ہشام انصاری کہتے ہیں کہ: إذ کا استعمال کئی طرح پر ہے

1) ماضی کا اسم ہو، اس کا استعمال چار طرح پر ہوتا ہے:

i. جب یہ ظرف واقع ہوا ہو، جیسے

فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا[26] "اس کی مدد اللہ نے اُس وقت کی تھی جب کافروں نے اس کو اس حال میں نکالا۔"

ii. جب مفعول بہ واقع ہوا ہو، جیسے

وَاذْکُرُوْا اِذْکُنْتُمْ قَلِیْلاً فَکَثَّرَکُمْ[27] "یاد کرو جب کہ تم تھوڑے تھے تو تم کو اللہ نے زیادہ کیا۔"

iii. جب یہ مفعول کا بدل واقع ہوا ہو، جیسے

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ مَرْیَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَھْلِھَامَکَانًا شَرْقِیًّا[28] "اور کتاب میں مریم کی سرگزشت کو یاد کرو جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہوکر مشرق کی جانب میں جا بیٹھی۔"

اس ارشاد باری تعالیٰ میں جو اِذْ واقع ہوا ہے اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ یہ نعمت کا ظرف ہو اور دوسرا یہ کہ اُس کا بدل واقع ہوا ہو:

اُذْکُرُوْانِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَاءَ[29] "اپنے اوپر اللہ کے فضل کو یاد کرو کہ اُس نے تم میں نبی اُٹھائے۔"

یحتمل کونَ إذ ظرفاً للنعمة، وکونھا بدلاً منه.

iv. اس کا مضاف الیہ کوئی ایسا زمانہ ہو جس میں اس سے استغناء کی صلاحیت ہو، جیسے:

یَوْمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْاوَعَصَوُاالرَّسُوْلَ لَوْتُسَوّٰی بِھِمُ الْاَرْضُ[30] "اُس دن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جنہوں نے رسول کی نافرمانی کی، تمنا کریں گے: کاش! اُن کے سمیت زمین برابر کر دی جائے۔"

یا اس کا مضاف الیہ کوئی ایسا زمانہ ہو جس میں اس سے استغناء کی صلاحیت نہ ہو، جیسے:

رَبَّنَا لاَ تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَ يْتَنَا[31] "اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ہدایت بخشنے کے بعد کج نہ کرو۔"

2) جب یہ زمانہ مستقبل کا اسم ہو، جیسے:

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا[32] "اُس دن وہ اپنا داستان کہہ سنائے گی۔"

3) تعلیلیہ، جیسے:

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ[33] "اور جب کہ تم نے اپنے اوپر ظلم ڈھائے تو یہ چیز آج تم کو ذرا بھی نافع نہیں ہو گی۔" یعنی: ولن ينفعكم اليوم اشتراككم في العذاب، لأجل ظلمكم في الدنيا[34]. "آج کے دن تمہارا عذاب میں اکٹھا ہونا تمہارے لیے مفید نہیں اس لیے کہ تم نے دنیا میں ظلم کیا ہے۔"

إذَا

اس کا استعمال دو طور پر ہوتا ہے:

i. مفاجأۃ کے لیے، اس صورت میں جملہ اسمیہ کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔ جواب کا محتاج نہیں ہوتا۔ مبتدا پر بھی واقع نہیں ہوتا اور اس کا معنٰی حال ہوتا ہے استقبال نہیں ہوتا، جیسے:

خَرَجْتُ فإذا الأسَدُ بالبَاب. "جوں ہی میں باہر نکلا تو شیر دروازے پر موجود تھا۔"

ان آیتوں میں بھی اِذَا مفاجأۃ ہی کے لیے ہے:

اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْ اٰيٰتِنَا[35] "تو وہ ہماری نشانیوں کے باب میں چالیں چلنے لگتا ہے۔"

فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى[36] "تو وہ (لاٹھی) اچانک ایک رینگتا ہوا سانپ بن گئی۔"

ii. مفاجأۃ کے لیے نہ ہو، اس صورت میں اکثر حالات میں مستقبل کے لیے ظرف اور معنی شرط کے لیے متضمن ہوتا ہے۔ نیز فجائیہ کے برخلاف جملہ فعلیہ پر داخل ہوتا ہے۔ ان دونوں آیات میں یہ دونوں اکٹھے ہوئے ہیں:

ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْاَرْضِ اِذَا اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ[37] "پھر جب وہ تم کو زمین سے نکلنے کے لیے ایک ہی بار پکارے گا تو تم دفعتًہ نکل پڑو گے۔"

فَاِذَا اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ[38] "پس جب وہ اس کو نازل کرتا ہے اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے تو وہ یکایک خوش ہو جاتے ہیں۔"

اس صورت میں اس کے بعد اکثر ماضی استعمال ہوتا ہے اور مستقبل کا استعمال بہت کم ہوتا ہے[39]۔

زجاج کہتے ہیں:

اِذَا ظرف زمان ہے جو زمانہ مستقبل پر دلالت کرتا ہے اور یہ ماضی کے لیے بھی مستعمل ہے[40]۔

معلوم ہوا کہ اِذَا حروفِ اَضداد میں سے ہے اور دو متضاد معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے:

1) ماضی کے لیے:

وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ[41] "اور جو اپنے بھائیوں کے بابت، جب کہ وہ (سفر یا جہاد میں) نکلتے ہیں، کہتے ہیں۔"

2) مستقبل کے لیے:

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْلَهْوًا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا[42] "اور جب وہ کوئی تجارت یا دلچسپی کی چیز دیکھ پاتے ہیں تو اُس کی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں۔"

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ[43] "جب سورج کی بساط لپیٹ دی جائے گی۔"

امام زرکشی لکھتے ہیں: قسم کے بعد حال کے لیے بھی واقع ہوتا ہے، جیسے اِن آیات میں:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى[44] "ستارہ شاہد جب وہ گرتا ہے۔"

وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی[45] "شاہد ہے رات جب چھا جاتی ہے اور دن جب چمک اُٹھتا ہے۔"

ان آیات میں عبارات کی تقدیر اِس طرح ہو گی:

وَالنَّجْمِ هَاوِیًا، وَالَّیْلِ غَاشِیًا، وَالنَّهَارِ مُتَجَلِّیًا[46] "گرتا ہوا ستارہ، چھا جاتی ہوئی رات اور روشن کرتا ہوا دین گواہ ہیں۔"

أكْمَهُ

امام ابن فارِس لکھتے ہیں:

الكاف والميم والهاء كلمةٌ واحدةٌ، وهو الكَمَه، وهو العَمَى يولد به الإنسان، وقد يكون من عرض يعرض[47].

"ک م ہ ایک ہی مصدر ہے۔ اندھا پن؛ پیدائشی اندھے کو اَلأکْمَہ کہتے ہیں اور کبھی غیر پیدائشی کے لیے بھی اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔"

امام ابن الانباری لکھتے ہیں:

الأكمَه مِن الأضداد، يُقال أكمه للذي تلده أمه أعمى، قال الله عزوجل: وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ. قال أبوعبيدة: الأكمه الذي يُولَدُ أعمَى، وقال مجاهد: الأكمه: الذی يُبصر بالنهار، ولا يُبصر بالليل[48]. "الأکمہ اَضداد میں سے

ہے۔پیدائشی اندھے کو کہتے ہیں جیساکہ اس آیت میں ہے(وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ[49])"اور میں (اللہ کے حکم سے) پیدائشی اندھے کو اچھا کرتا ہوں۔"ابو عبیدۃ کہتے ہیں: مادرزاد نابینا کو أكمه کہتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں: اَکْمَہ وہ ہے جو دن کو دیکھتا ہے اور رات کو نہیں دیکھتا۔"

الأمَّةُ

امام ابن فارِس لکھتے ہیں:

الهمزةوالميم أصلٌ واحدٌ،يتفرع منه أربعة أبواب،وهي: الأصل، والمرجع، والجماعة، والدين،وهذه الأربعة متقاربة[50].

"ہمزہ اور میم ایک اصل ہے جس پر چار اَبواب متفرع ہیں جو باہم متقارب ہیں: اصل، مرجع، جماعت اور دین۔"

اَضداد میں لکھنے والے علماء نے اس لفظ کو اَضداد میں سے شمار کیا ہے اس لیے کہ اس کے دو متضاد معنی ہیں:

الواحدالصالح،والجماعة[51]. "صالح اور نیک فرد اور جماعت۔"

1) **ایک صالح فرد:**

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيْفًا[52]"بے شک ابراہیم علیہ السلام ایک امت تھا، اللہ کا فرمان بردار۔"

امام قرطبی لکھتے ہیں:

والأمة:الرجل الجامع للخير[53]. "الأمۃ: وہ شخص ہے جو خیر کا جامع ہو۔"

حدیث میں وارِد ہے کہ:

سُئِلَ عن زيدبن عمروبن نُفَيل فقال:يُبْعَثُ يومَ القيامةِ أُمَّةً وحده[54].

"(رسول اللہ ﷺ سے) زید بن عمرو بن نُفَیل[55] کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: روزِ قیامت اُسے ایک امت اُٹھایا جائے گا۔"

2) **جماعت و گروہ:**

وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ[56]"اُس نے اُس پر لوگوں کا ایک گروہ پایا۔"

أمَّةٌ کا ایک اور استعمال

قرآن مجید لفظِ اُمَّةً کا استعمال ایک اور طریقہ پر بھی ہوا ہے۔

1) **صحیح ملت:**

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً[57] "بے شک یہ تمہارا دین ایک ہی دین ہے۔"

امام قرطبی لکھتے ہیں:

المعنى: هذاالذي تَقَدَّم ذِكره هودينُكم وملتُكم فالتزموه والأمة هناالدِّين،أي:الملة الصحيحة[58].

"معنیٰ یہ ہے کہ پہلے جو مذکور ہوا وہی تمہارا دین اور تمہاری ملت ہے پس اسے لازِم پکڑو۔ اُمَّةٌ یہاں دین یعنی صحیح ملت کے لیے مستعمل ہے۔"

2) باطل ملت:

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ[59]

"(نہیں) بلکہ اُنہوں نے کہا: بلاشبہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا اور بے شک ہم تو اُن ہی کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں۔"

امام ماوردی[60] لکھتے ہیں: آیت کریمہ: كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً[61] میں دو احتمال ہیں۔ کچھ مفسرین جیسے قتادۃ اور ضحاک وغیرہ کہتے ہیں کہ سارے لوگ مؤمن تھے جب کہ باقی مفسرین کہتے ہیں کہ سارے لوگ کافر تھے[62]۔

علامہ ابن الانباری لکھتے ہیں:

فالذين قالوا:الأمة هاهناالمؤمنون ذهبوا إلى أنَّ الله عزوجل لَمَّا غَرَّقَ الكافرين من قوم نوح بالطوفان و نَجَّى نوحاً و المؤمنين كان الناسُ كُلُّهُم من ذلك الوقت مؤمنين ، ثم كفر بعضهم بعد ذلك الوقت فأرسل الله إليهم أنبياء يُبَشِّرُون و يُنْذِرُونَ و يَدُلُّونَهُمْ على ما يَسْعَدُوْنَ به ويَتَوَفَّرُ منه حَظُّهُم.ومن قال: الأمةُ في الآيةِ معناها الكافرون قال: تأويل الآية:كان الناسُ قبل إرسالِ الله نوحاًكافرين كلهم، فأرسل الله نوحا وغيره من النبيين المبعوثين بعده يُبَشِّرُوْنَ ويُنْذِرُوْنَ و يَدُلُّوْنَ النَّاسَ على ما يَتَدَيَّنُونَ به مما لايقبل الله يوم القيامة غيره[63]."

جن مفسرین نے لوگوں کے مؤمن ہونے کا قول کیا ہے اُن کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم کو طوفان سے غرق کر دیا اور اُنہیں اور اُن کے مؤمن ساتھیوں کو نجات دی اُس طوفان کے بعد سارے لوگ مؤمن تھے اور کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد کفر سرایت کر گئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں انبیاء اور رُسل بھیجے جو بشیر و نذیر تھے۔ اُنہوں نے لوگوں کو سعادت اخروی کے حصول کی ترغیب دی اور جن مفسرین نے اس آیت میں امۃ سے

کفار مراد لیے ہیں اُن کی نزدیک اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کے تشریف لانے سے قبل سارے لوگ کافر تھے تو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے سیدنا نوح علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو اُن چیزوں کی تعلیم دے جن کے علاوہ اللہ تعالیٰ روزِ آخرت کوئی دوسری چیز قبول نہیں فرمائیں گے۔"

أمْرُ

امام ابن فارِس کہتے ہیں:

الهمزة والميم والراء، أصول خمسة: الأمر مِن الأمور، والأمر ضِدُّ النهي، والأمر النّماء، والبَرَكة بفتح الميم، والمَعْلَم والعَجَب[64].

"ہمزہ، میم اور راء، پانچ بنیادی اصول کے لیے مستعمل ہے: کوئی سا کام، وہ امر جو نہی کا ضد ہو، مشورہ، برکت (کسی چیز کا بہت زیادہ ہونا) اور علامت و نشانی۔"

یہ لفظ قرآن مجید میں دو مختلف معنوں کے لیے مستعل ہے۔

1) **نصرت و مدد:**

يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّه لِلّٰهِ[65]

"وہ کہتے ہیں: کیا اِس معاملے میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے؟ کہو سب اختیار اللہ ہی کا ہے۔"

امام ابن الجوزی لکھتے ہیں:

المراد بالأمر: النصر والظفر[66]. "(یہاں) امر سے مراد نصرت و کامیابی ہے۔"

امام قرطبی لکھتے ہیں:

ليس لنا من الظَّفَر الذي وَعَدَنَا به محمد صلى الله عليه وسلم شيئ[67].

"ہمیں اُس کامیابی میں کوئی اختیار حاصل نہیں جس کا وعدہ ہم سے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کرتے ہیں۔"

اسی معنیٰ میں اس آیت کریمہ میں بھی استعمال ہوا ہے:

لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ[68] "اِس سے پہلے اور اس کے بعد فتح و نصرت اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔"

2) **عذاب:**

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ[69] "اور جب (عذاب کا) فیصلہ ہو جائے گا تو شیطان کہے گا۔"

امام ابن قتیبہ لکھتے ہیں:

أي :وجب العذاب[70]. "یعنی: جب عذاب واقع ہو گا۔"

إنْ(المکسورة)

یہ قرآن مجید میں دو متضاد معنوں میں مستعمل ہے:

1) نافیہ:

اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِه اِلَّآ اِنٰثًا وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا[71] "یہ اُس کے سوا نہیں پکارتے مگر دیویوں کو اور یہ نہیں پکارتے مگر شیطان مردود کو۔"

اِن اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰی[72] "ہمارا ارادہ تو نہیں تھا مگر بھلائی کا۔"

اِنْ اُمَّهَاتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِیْ وَلَدْنَهُمْ[73] "اُن کی مائیں تو نہیں ہیں مگر وہ جنہوں نے ان کو جنا ہے۔"

اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ[74] "نہیں ہیں کافر مگر دھوکے میں پڑے ہوئے۔"

2) لَقَدْ کے معنیٰ میں:

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِه لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ[75] "اگرچہ تم اِس سے پہلے ضرور بے خبر تھے۔"

علامہ ابن الانباری نے بعض علماءِ تفسیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ ذیل کی دو آیتوں میں بھی إنْ، قَدْ کے معنیٰ میں ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِیْمَا اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِیْهِ[76] "اور ہم نے اُن کے قدم ان رفاہیتوں کے اندر جمائے تھے جن کے اندر تمہارے قدم نہیں جمائے۔"

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰی[77] "پس تم یاددہانی کرو اگر یاددہانی کچھ نفع پہنچائے[78]۔"

پھر امام فراء کے حوالے سے لکھتے ہیں:

لاتکون"إنْ"بمعنی"قَدْ"حتی تدخُلَ معهااللام أوألا؛فإذاقالت العربُ:إن قامَ لَعبدالله، وألاإن قام عبدالله، فمعناهُ:قد قام عبدالله[79].

"اِنْ،قَدْ کے معنیٰ میں تب آتا ہے جب اس کے ساتھ لام یا اَلا کو داخل کیا جائے پس جب عرب إن قامَ لَعبدالله اور ألاإن قام عبدالله کہیں گے تب اس کا معنیٰ ہو گا: عبد اللہ کھڑا ہوا۔"

اَوْ

حرف "اَوْ" قرآن مجید میں دو متضاد معنوں میں مستعمل ہے:

1) شک

لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْبَعْضَ یَوْمٍ[80] "(بولا: اس حال میں) ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہا۔"

لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ[81] "(وہ بولے) ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم ٹھہرے ہوں گے۔"

2) ابہام

اَتٰهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا[82] "ہمارا عذاب اُن پر آیا رات کو یا دن کو۔" یعنی: رات یا دن میں جس وقت بھی ہم نے چاہا اپنا عذاب بھیج دیا۔ کوئی ہمارا ہاتھ پکڑنے والا نہیں تھا۔

وَاِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى[83] "اور ہم (میں) اور تم (میں) کوئی ایک ہدایت پر ہے یا کھلی ہوئی گمراہی میں۔"

مطلب یہ ہے کہ ہماری دعوت کی بنیاد خالص توحید پر ہے۔ اگر تم اس پر ہم سے جھگڑ رہے ہو تو مزید کسی بحث و جدال کی ضرورت نہیں ہے، یا تو ہم ہدایت پر ہیں اور تم کھلی ہوئی گمراہی میں ہو یا تم ہدایت پر ہو اور ہم ضلالت پر ہوئے۔

الأيّمُ

امام ابن فارس لکھتے ہیں:

الهمزة والياء والميم، ثلاثة أصول متباينة: الدُّخان، والحَيّة، والمرأة لا زوج لها[84].

"ہمزہ، یاء اور میم تین مختلف اصول ہیں: دھواں، سانپ اور وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو۔"

اَلإِيَامُ دھوئیں کو کہتے ہیں اور اٰمَ يَئِيْمُ وَيَؤُوْمُ إِيَاماً کے معنی ہیں: اُس نے شہد کا چھتہ اُتارنے کے لیے شہد کی مکھیوں کو دھونی دی تا کہ مکھیاں اُڑ جائیں اور چھتہ خالی رہ جائے۔ اس سے اَلْأَيِّمُ اُس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو۔ علامہ ابن الانباری اور امام صغانی نے اسے اَضداد میں سے تسلیم کیا ہے[85]۔

قرآن مجید میں اس کا استعمال بغیر بیوی والے مرد اور بغیر شوہر والی عورتوں کے لیے ہوا ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ[86] "اور اپنی رانڈوں اور رنڈوں اور ذی صلاحیت غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کرو۔"

امام واحدی لکھتے ہیں:

الأيامى هاهنا من الرجال والنساء الذين لا أزواج لهم كان تَزَوَّجَ قبل ذلك أو لم يَتَزَوَّج. والأيّمُ في كلام العرب: كُلُّ ذكرٍ لا أنثى معه، وكلُّ أنثى لا ذكَرَ معها، ولذلك سُمِّيَتِ الحَيَّةُ أيِّماً بالتشديد و التخفيف لأنها لا تكادُ تكون في جُحْرِها إلاّ وحدها[87].

"یہاں اَیامیٰ بغیر عورتوں والے مردوں اور بغیر شوہروں والی عورتوں کے لیے آیا ہے، خواہ انہوں نے پہلے سے نکاح کیا ہو یا نکاح نہیں کیا ہو۔ عربوں کے کلام میں اَیِّم بے عورت مرد اور بے شوہر عورت کو کہتے ہیں۔ سانپ کو أیِّماً اور أیِماً اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ اپنے بِل میں الگ تھلگ اور تنہا رہتا ہے۔"

امام قرطبی لکھتے ہیں:

الأیامَی:الذین لازوج لهم من الرجال والنساء، واحدهم:أیِّمٌ[88].

"ایامیٰ: مردوں اور عورتوں میں سے وہ ہیں جن کا جوڑا نہ ہو۔ اس کا واحد أیِّمٌ ہے۔"

اور حدیث میں ہے کہ:

اَلأیِّمُ أحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَّلِیِّهَا وَالْبِكْرُتُسْتَأْذَنُ فِيْ نَفْسِهَا،وَإذْنُهَا صُمَاتُهَا[89].

"بیوہ عورت اپنے نکاح میں اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے اور کنواری سے اُس کے نکاح میں اجازت لی جائے اور اجازت اُس کی چُپ رہنا ہے۔"

علامہ ابن الانباری لکھتے ہیں:

إنَّما لم یدخلوا الهاءَ في أیِّم،وهو وصفٌ للمرأةِ لأنَّ النساءَ یوصَفْنَ بهذاأكثرمن الرجال،فَكَنَّ أغلب علیه،فأُجْرِيَ مَجْرَی حائضٍ وطالقٍ وطامثٍ مما لایحتاجُ فیه إلی إدخالِ علامة تدُلُّ علی التأنیث[90].

"أیِّم کے آخر میں ہاءِ تانیث داخل نہیں کیا جاتا باوجود یہ کہ یہ عورت کی صفت ہے اس لیے کہ مردوں کے مقابلے میں اس کو عورتوں کے لیے بکثرت استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ حائض، طالق اور طامث وغیرہ بھی علامتِ تانیث کے محتاج نہیں۔"

بَعد

امام ابن فارِس لکھتے ہیں:

الباءوالعین والدَّال أصلان:خلاف القُرب،ومقابل قَبل[91]. "بنیادی طور پر دو چیزوں کے لیے مستعمل ہے: قُرب کے خلاف اور قبل کے مقابل۔"

امام ابن الانباری لکھتے ہیں:

یكون بمعنی التَّأخیر،وهوالذي یفهمه الناس،ولایحتاج مع شهرته،ویكون بمعنی:قَبل[92].

"اس کا ایک معنیٰ "تاخیر" یعنی پیچھے کا ہے، جس سے لوگ واقف ہیں اور مشہور ہونے کی وجہ سے محتاجِ بیان نہیں اور یہ قبل (پہلے) کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔"

قرآن مجید میں یہ ان دونوں متضاد معنوں میں مستعمل ہے:

1) تاخیر کے معنی میں:

اَلَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ مِنۡ بَعۡدِ مِیۡثَاقِهٖ[93] "جو اللہ کے عہد کو اس کے باندھنے کے بعد توڑتے ہیں۔"

ثُمَّ عَفَوۡنَا عَنۡکُمۡ مِّنۡ بَعۡدِ ذٰلِکَ[94] "پھر ہم نے تم سے درگزر کیا اِس کے بعد۔"

2) قبل (پہلے) کے معنیٰ میں:

وَلَقَدۡ کَتَبۡنَا فِی الزَّبُوۡرِ مِنۡ بَعۡدِ الذِّکۡرِ[95] "اور بے شک ہم نے الزبور میں الذکر سے پہلے لکھا تھا۔"

امام طبری اور سجستانی لکھتے ہیں:

مِنۡ قَبۡلِ الذِّکۡرِ[96] "الذِّکۡرِ سے پہلے۔"

حافظ ابن جوزی نے ارشاد باری تعالیٰ:

وَالۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِکَ دَحٰهَا[97] "اور زمین کو اس کے بعد ہموار کیا۔"

کے تحت لکھا ہے:

أي: بعد خلق السماء ، و بعضهم یقول إنَّ الأرض خلقت قبل السماء یزعم أن بعد ھٰھنا بمعنی: قبل، کقوله تعالی: وَ لَقَدۡ کَتَبۡنَا فِی الزَّبُوۡرِ مِنۡ بَعۡدِ الذِّکۡرِ، وبعضهم یقول: هي بمعنی: مع ، کقوله تعالی: عُتُلٍّ بَعۡدَ ذٰلِکَ زَنِیۡمٌ . ولا یمتنع ان تکون الأرض خُلقت قبل السماء ثم دُحیت بعد کمال السماء[98].

"یعنی آسمان کے بنانے کے بعد۔ بعض کا خیال ہے کہ زمین کو آسمان سے پہلے بنایا گیا اور اسی وجہ سے اُن کا خیال ہے کہ بعد یہاں قبل کے معنیٰ میں ہے جیسا کہ وَلَقَدۡ کَتَبۡنَا فِی الزَّبُوۡرِ مِنۡ بَعۡدِ الذِّکۡرِ[99]. میں ہے جب کہ بعض کہتے ہیں کہ یہاں بعد، مع کے معنیٰ میں ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے (عُتُلٍّ بَعۡدَ ذٰلِکَ زَنِیۡمٌ[100]) یہ بھی ممکن ہے کہ زمین کو آسمان سے قبل پیدا کیا گیا ہو اور اُسے آسمان کو بنانے کے بعد ہموار کیا گیا ہو۔"

بعض

ہر چیز کا کچھ حصہ خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ[101] "کیا تم کتاب (الٰہی) کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس کے دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو؟"

امام ابن الانباری لکھتے ہیں:

یکون بمعنی: بعض الشیء، وبمعنی: کله[102]. "کسی چیز کے کچھ حصے کو اور کسی پوری چیز کے لیے اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔"

قرآن مجید میں یہ دو متضاد معنوں میں مستعمل ہے:

1) بعض، کچھ حصہ:

قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ[103] "ہم نے کہا کہ اُترو! تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔"

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ[104] "یہ ایک دوسرے کی ذریت ہیں۔"

2) کل:

وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ[105] "اور تاکہ میں تم پر واضح کر دوں بعض وہ باتیں جن میں تم نے اختلاف کیا ہے۔"

امام طبری اور امام قرطبی نے لکھا ہے کہ:

وقد قيل: مَعنَى البَعض فِي هٰذَا المَوضِع: الكُلُّ[106]. "کہا جاتا ہے کہ بعض کا معنیٰ یہاں پر "کل" ہے۔"

یہ امام ابوعبیدۃ کا قول ہے۔ انہوں نے اس معنیٰ کی تائید میں یہ شعر بھی پیش کیا ہے:

تَرَّاكُ أَمْكِنَةٍ إِذَا لَمْ أَرضِهَا أَويَعْتَلِقْ بَعْضُ النُّفُوْسِ حِمَامُهَا[107]. اس معنیٰ کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ[108] "اور اگر وہ سچا ہے تو تم کو وہ عذاب پہنچ کے رہے گا جس کی وہ تم کو وعید سنا رہا ہے۔"

بَيْن

امام ابن الانباری لکھتے ہیں:

یکون "البین": الفراق، ویکون "البین": الوصال[109]. "بین: جدائی اور وصال و پیوستگی کے معنیٰ میں مستعمل ہے۔"

امام اصمعی، علامہ ابن السکیت اور امام صغانی نے بھی اس کو اضداد میں سے مانا ہے[110]۔

قرآن مجید میں یہ دو متضاد معنوں میں مستعمل ہے:

1) فراق، جدائی، الگ الگ کرنا یا ہونا:

یَعْلَمُ مَابَیْنَ اَیْدِیْہِمْ وَمَاخَلْفَھُمْ[111] "وہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے آگے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے۔"

اَفَلَمْ یَرَوْااِلٰی مَابَیْنَ اَیْدِیْہِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ[112] "کیا انہوں نے اپنے آگے اور پیچھے، آسمان وزمین پر نظر نہیں ڈالی۔"

2) وصل وپیوستگی:

لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَکُمْ[113] "بے شک تمہارا رشتہ بالکل ٹوٹ گیا۔"

امام اصمعی لکھتے ہیں:

یُرِیْدُ: وَصْلَکم[114]. "مراد قرب اور وصل ہے۔"

امام طبری لکھتے ہیں:

"البین" تواصُلھم، وقال: ماکان بینکم من الوصل، وقال: لقد تقطع وصلکم[115].

"البَیْن: آپس کے تواصُل، رشتہ اور تعلق کو کہتے ہیں یعنی: تمہارا آپ کا رشتہ اور تعلق وہ ٹوٹ گیا۔"

امام قرطبی نے بھی لکھا ہے کہ:

لقد تَقَطَّعَ وصلکم بینکم[116]. "تمہارا آپس کا رشتہ ختم ہو گیا۔"

توَّابٌ

امام ابن فارس لکھتے ہیں:

التاء، والواو، والباء: کلمةٌ واحدةٌ، تدل علی الرجوع، یقال: تاب من ذنبه، أي: رجع عنه، یتوب اِلی الله توبةً ومتاباً فھوتائبٌ[117].

"کلمہ ت وب واپس آنے پر دلالت کرتا ہے۔ تَابَ مِنْ ذَنْبِہٖ کا معنیٰ ہے: وہ اپنے گناہ سے تائب ہوا یعنی رجوع کیا۔ توبہ کرنے والا تائب کہلاتا ہے۔"

امام ابن الانباری لکھتے ہیں:

"التواب": الله جَلَّ اِسمه، لأنه یتوب علی عباده، و"التواب": الرجل الذي یتوب من ذنوبه[118].

"تَوَّابٌ: اللہ تعالیٰ کو کہتے ہیں اس لیے کہ وہ بندوں کا توبہ قبول فرماتے ہیں اور وہ شخص بھی تَوَّابٌ کہلاتا ہے جو اپنی گناہوں سے توبہ کرے۔"

امام سجستانی، امام صغانی اور علامہ ابن منظور نے بھی ایسا ہی کہا ہے[119]۔

قرآن مجید میں بھی اس کا استعمال اس طرح ہوا ہے:

1) اللہ تعالیٰ جو بندوں کا توبہ قبول کرکے انہیں معاف کردیتے ہیں اِنَّہ ھُوَالتَّوَّابُ الرَّحِیْمُ[120] "بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

2) اپنی گناہوں سے توبہ کرنے والا شخص اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ[121] "بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

الجِنُّ

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

أصل الجِنّ: ستر الشیئ عن الحاسَّةِ[122]. "جنّ کی اصل کسی چیز کو آنکھ سے چھپالینا ہے۔"

آگے لکھتے ہیں:

والجِنُّ یقالُ علی الوجھین: أحدُھما للروحَانِیِّیْن المُسْتَتِرَۃِ عن الحَوَاسِّ کلِّھَا بإزاء الإنس، فعلی ھذا تَدْخُلُ فیہ الملائکۃُ و الشیاطین فَکُلُّ ملائکۃٍ جِنٌّ وَلَیسَ کُلُّ جِنٍّ ملائکۃ، وعلی ھذا قال أبوصالح : الملائکۃ کُلُّھا جِنٌّ، وقیل: بل الجِنُّ بعض الروحانیین، وذلک أنَّ الروحانیین ثلاثۃٌ: أخیارٌ، وھُم الملائکۃ، وأشرارٌ وھُم الشیاطین، و أوساطٌ فیھم أخیارٌ أشرارٌ، وھُم الجِنُّ، ویدُلُّ علی ذلک قولہ تعالی: قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ- إلی قولہ تعالی- وَاَنَّامِنَّاالْقٰسِطُوْنَ[123].

"لفظ "جنّ" کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے: ایک بمقابلہ انسان اُن تمام روحانیوں کے لیے جو حواس سے پوشیدہ ہیں اس صورت میں ملائکہ اور شیاطین بھی اس میں آجاتے ہیں پس ہر فرشتہ جن ہے لیکن ہر جن فرشتہ نہیں اور اسی اعتبار سے ابو صالح نے کہا ہے کہ سب فرشتے جن ہیں اور بعض کا قول ہے کہ نہیں بلکہ "جنّ" روحانیوں کی ایک قسم ہیں کیوں کہ روحانیوں کی تین قسمیں ہیں: اخیار: یعنی نیک ہی نیک، یہ ملائکہ ہیں۔ اَشرار: یعنی سر تا سر بد، یہ شیاطین ہیں اور اوسط: یعنی درمیانی، ان میں نیک بھی ہیں اور شریر بھی، یہ "جنّ" ہیں چنانچہ اس ارشادِ الٰہی میں اس بات کو بتلایا جارہا ہے (قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌمِّنَ الْجِنِّ---وَاَنَّامِنَّاالْقٰسِطُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِکَ[124])" کہہ دو: مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن کو) سنا۔۔۔ اور یہ کہ ہم میں فرمان بردار بھی ہیں اور بے راہ بھی۔"

اور قرآن مجید میں یہ ان ہی دو متضاد معنوں میں مستعمل ہے:

1. جنٌّ: قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا[125] "کہہ دو: مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنّوں کی ایک جماعت نے (قرآن کو) سنا تو اُنہوں نے (اپنی قوم کو) بتایا کہ ہم نے ایک نہایت دل پذیر قرآن سنا۔"

اِس آیت میں "جنٌّ" سے مراد معروف جنّات ہیں۔

2. ملائکہ وَجَعَلُوْا بَيْنَه وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اَنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ[126] "اور انہوں نے اللہ اور جنوں کے درمیان بھی رشتہ جوڑ رکھا ہے اور جنوں کو خوب معلوم ہے کہ وہ عذاب میں گرفتار ہوں گے۔"

امام طبری نے مجاہد کی روایت سے لکھا ہے کہ:

إن الجِنة هي الملائكة[127]. "اس آیت میں "جِنٌّ" سے مراد ملائکہ ہیں۔"

حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں:

أي علمت الملائكةإنهم،أي:هؤلاء المشركين لمُحضَرون النار[128]. "یعنی ملائکہ کو معلوم ہے کہ مشرکین ضرور عذاب میں گرفتار ہوں گے۔"

امام ابن الانباری نے بھی "جِنٌّ" کو حروفِ اَضداد میں سے تسلیم کیا ہے[129]۔

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:

في القرآن الكريم تقديم الجن على الإنس في أكثرالمواضع لأنَّ الجنَّ تشتمل على الملائكة وغيرهم مما اجتن عن الأبصار،قال تعالى(وَجَعَلُوْا بَيْنَه وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا[130])وقال الأعشى:وسَخَّر مِن جِنِّ الملائك شِيعةًقِياماً لَّدَيْه يعملونَ بلا أجروأماقوله:قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْابِمِثْلِ هٰذَاالْقُرْاٰنِ،وقوله:لَايُسْاَلُ عَنْ ذَنْبِه اِنْسٌ وَّلَاجَآنٌّ، وقوله:لَمْ يَطْمِثْهُنَّ قَبْلَهُمْ اِنْسٌ وَلَاجَآنٌّ،وقوله:ظَنَنَّا اَنْ لَنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ، فإن لفظ الجن ههنا لا يتناول الملئكة بحالٍ،لتراهتهم عن العيوب، وأنهم لا يُتَوَهَمُ عليهم الكذب ولاسائر الذنوب، فلما لم يتناولهم عموم لفظ لهذه القرينة بدابلفظ الإنس لفضلهم و كمالهم[131]."

قرآن مجید میں اکثر مقامات پر" جِنٌّ" کو"اِنس" سے پہلے ذکر کیا گیا ہے اس لیے کہ "جِنٌّ" کا استعمال ملائکہ اوردوسری غیر مرئی مخلوق کے لیے کیا جاتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے(وَجَعَلُوْا بَيْنَه وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا[132]) "اور اُنہوں نے اللہ اور جِنّوں کے درمیان بھی رشتہ

جوڑ رکھا ہے۔" اوراعشیٰ نے کہا ہے کہ: وسَخَّر مِن جنِّ الملائک تِسعَۃً قِیاماً لَّدَیْہ یعملونَ بلا أجر." (اللہ تعالیٰ نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کے لیے) جنات میں سے نو ملائکہ کے گروہ کو اُن کے لیے مسخر کیا تھا جو اُن کے سامنے کھڑے ہو کر بغیر اُجرت کے کام کرتے تھے۔" رہے اللہ تعالیٰ کے یہ فرمان: قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ[133] "کہہ دو کہ اگر تمام اِنس و جن اِس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ اِس جیسا قرآن لا دیں تو وہ اِس جیسا نہ لا سکیں گے۔"

لَا یُسْاَلُ عَنْ ذَنْبِہٖ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ[134] "کسی انسان اور جن سے اُس کے جرم کے باب میں نہ پوچھا جائے گا۔"

لَمْ یَطْمِثْھُنَّ قَبْلَھُمْ اِنْسٌ وَلَا جَآنٌّ[135] "اِن (لوگوں) سے پہلے ان کو نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہو گا نہ کسی جن نے۔"

ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا[136] "ہم نے گمان کیا کہ انسان اور جن اللہ پر ہرگز کوئی جھوٹ نہیں باندھ سکتے۔"

سو اِن مقامات میں لفظِ جنؔ کسی بھی طور پر ملائکہ کو شامل نہیں اس لیے کہ ملائکہ عیوب سے منزہ اور پاک ہیں اور اُن سے جھوٹ اور دوسری گناہیں صادِر نہیں ہوتیں۔ مذکورہ آیات میں اس قرینہ کی بنیاد پر ملائکہ داخل نہیں اس لیے فضل و کمال کی بنیاد پر انسانوں کا ذکر پہلے کیا۔"

حَسِبَ

امام ابن الانباری لکھتے ہیں:

حَسِبْتُ حرفٌ من الأضداد، یکون بمعنی الشک، ویکون بمعنی الیقین[137].

"حَسِبْتُ اَضداد میں سے ایک حرف ہے۔ کبھی شک اور کبھی یقین کے معنیٰ میں آتا ہے۔"

اور ان دو معنوں میں قرآن مجید میں مستعمل ہے:

1. یقین: وَحَسِبُوْٓا اَنْ لَّا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا[138]. "اور انہوں نے گمان کیا کہ کوئی پکڑ نہیں ہو گی پس اندھے اور بہرے بن گئے۔"

امام ابو علی الفارسی[139] نے لکھا ہے کہ:

ابو عمرو، حمزہ[140] اور کسائی[141] نے یہاں وَحَسِبُوْا اَنْ لاَّ تَکُوْنُ فِتْنَۃٌ پڑھا ہے[142]۔ اس قراء ت کی وضاحت و تفسیر کرتے ہوئے امام مکی بن ابی طالب لکھتے ہیں: من رفع "تکونُ" جعل "أنْ" المخففۃ من الثقیلۃ، وأضمر معھا "الھاء" وتکون خبر "أنْ" وجعل"

وَحَسِبُوْا"بمعنی"أیقنوا" لأنَّ" أنْ"للتأکید، والتأکید لا یجوزُ إلّامع الیقین[143]. "جس نے "تَکونُ" کو مرفوع پڑھا ہے اُس کے نزدیک "أنْ" مخفف من الثقیلۃ ہے اور اس کے ساتھ کو "ہاء" کو مضمر مانا ہے جو "أنْ" کے لیے خبر ہو گی۔ اس نے "وَحَسِبُوْا" کو "أیقنوا" کے معنیٰ میں لیا ہے اس لیے کہ "أنْ" تاکید کے لیے ہے جب کہ تاکید یقین کے بغیر درست نہیں۔"

حافظ ابن جوزی نے بھی نام لیے بغیر امام مکی بن ابی طالب کی تحقیق لکھ دی ہے[144]۔

2. شک و گمان: اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ[145] "کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ محض یہ کہہ دینے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے ہیں اور وہ آزمائے نہیں جائیں گے۔"

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا[146] "کیا جو لوگ برائیوں کا اِرتکاب کر رہے ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ ہمارے قابو سے باہر نکل جائیں گے۔"

اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ[147] "کیا اُن کا گمان ہے کہ ہم اُن کے رازوں اور اُن کی سرگوشیوں کو نہیں سن رہے ہیں۔"

قرآن مجید میں یہ "مادہ" دو اور متضاد معنوں میں مستعمل ہے:

1. ثواب: اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ[148] "ان کا حساب کرنا تو میرے رب ہی کا کام ہے ار تم سمجھو۔"

امام دامغانی لکھتے ہیں:

ماجزاؤهم وثوابهم[149]. "اُن کا بدلہ اور اُن کا ثواب نہیں ہے مگر میرے پروردگار پر۔"

2. عذاب: وَیُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ[150] "اور اس پر آسمان سے عذاب نازل کرے گا۔"

اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ حِسَابًا[151] "بے شک یہ لوگ محاسبہ کا گمان نہیں کرتے تھے۔"

امام دامغانی لکھتے ہیں:

أي: لایخافون عذاباً[152]. "یعنی عذاب سے نہیں ڈرتا۔"

الحشر

امام ابن فارِس لکھتے ہیں:

الحاء، والشین والراء قریب المعنی من الذي قبله (أي: الحشد) وفیه زیادة معنیً، وهو السَّوق والبعث والإنبعاث، واهل اللغة یقولون: الحشر: الجمع مع سَوْقٍ، وکل

جمع حشر ، و من أسماء رسول الله ا: الحاشر، معناه: أنه يحشر الناس على قدميه كانه يَقدُمُهم يوم القيامة وهم خلفه[153].

"ح ش ر، ح ش د کے قریب المعنیٰ ہے البتہ اس میں ایک معنیٰ کا اِضافہ ہے۔ حشر: لوگوں کو جمع کر کے ہانک کر کے لے جانا اس کا بنیادی معنی ہے: ہانکنا، اُٹھانا، اُٹھ کھڑا ہونا اور چل پڑنا۔ اہل لغت کہتے ہیں: جمع کر کے ہانک کر لے جانا حشر کہلاتا ہے۔ جمع کرنے کو بھی حشر کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ا کے اَسماء مبارَکہ میں سے ایک اسم مبارَک الحاشر بھی ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ روزِ قیامت آپ سب سے آگے آگے ہوں گے اور دوسرے سارے لوگ اُن کے پیچھے۔"

امام ازہری لکھتے ہیں:

الحشر: حشر يوم القيامة، والمحشر: المجمع الذي يحشر إليه القوم[154].

"روزِ قیامت لوگوں کو جمع کرنے کو حشر کہتے ہیں۔ محشر اُس جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگ اکٹھے کر دیے جاتے ہیں۔"

چونکہ اس میں دو متضاد معنوں کا احتمال ہے اس لیے امام سجستانی نے اسے اَضداد میں شمار کیا ہے[155]۔

1. جمع کرنا، اکٹھا کرنا: وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُه مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ[156] "اور سلیمان کے (جائزے کے) لیے اُس کا سارا لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں میں سے اکٹھا کیا گیا۔"
2. موت: وَاِذَاالْوُحُوْشُ حُشِرَتْ[157] "اور جب کہ وحشی جانور اکٹھے ہو جائیں گے۔"

ابن عباسؓ سے اِس آیت کی ایک تفسیر یوں نقل کی گئی ہے:

حشرُ البهائم: موتُها، وحشر كل شيءٍ الموتُ غير الجن والإنس[158].

"بہائم (جانوروں) کا حشر اور انسانوں اور جنات کے علاوہ دوسری مخلوق کا حشر اُن کی موت ہے۔"

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

والحشر في لسان الشريعة مقولٌ على معنيين: حشر الناس إلى الشام، وهو واقعة قبل يوم القيامة حين يقِلُّ الناسُ على وجه الأرض يُحشرُ بعضهم بتقريباتٍ وبعضهم بنار تسوقهم، وحشرُه والبعث بعد الموت[159].

"شریعت کی زبان میں حشر کے دو معنی ہیں۔ ایک لوگوں کا ملکِ شام میں جمع ہونا۔ قیامت سے پیش تر یہ واقعہ اُس وقت ہو گا جب زمین پر لوگوں کی قلت ہو جائے گی تو بعض لوگ مختلف

تقریبوں کی وجہ سے اور بعض لوگ آگ کی وجہ سے وہاں جمع ہوں گے۔ دوسرے حشر کے معنی ہیں: موت کے بعد زندہ ہونا۔"

الحَق

امام ابن فارِس لکھتے ہیں:

الحاء والقاف أصلٌ واحدٌ،وھویدل علی اِحکام الشیٔ وصحته،فالحق نقیض الباطل، ثم یرجع کل فرعٍ إلیه[160].

"ح ق ایک ہی اصل ہے جو کسی چیز کے مضبوطی، صحت، واقعیت وثبات پر دلالت کرتی ہے۔ پس حق، باطل کا نقیض ہے، پھر اس کے سارے فروع (مشتقات) اس کی طرف راجع ہوتے ہیں۔"

قرآن مجید میں یہ لفظ دو مختلف معنوں میں مستعمل ہے:

1. حق: وَلَاتَلْبِسُواالْحَقَّ بِالْبَاطِلِ[161] "اور حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو۔"

وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوتُواالْکِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّه الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ[162] "اور بے شک جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ ضرور جانتے ہیں کہ یہ (قرآن اور نبی ا) اُن کے رب کی طرف سے حق ہے۔"

اس معنٰی میں یہ قرآن مجید میں بکثرت وارِد ہوا ہے۔

2. ظلم وجرم: ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَانُوْایَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیٖنَ بِغَیْرِالْحَقِّ[163] "یہ اس سبب سے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔"

امام ابن جوزی لکھتے ہیں:

معناہ: بغیر جرمٍ[164]. "اس کا معنٰی ہے: بغیر کسی جرم کے۔"

الحنف

امام ابن فارِس لکھتے ہیں:

الحاء والنون والفاء أصلٌ مستقیمٌ،وھوالمَیل،یقال للذي یمشي علی ظُھورقدمیه أحْنَفُ،وقال قوم- وأراہ الأصح -إن الحنف:إعوجاج في الرِّجل إلی داخلٍ،ورجُلٌ أحنف،أي:مائل الرِّجلین،و الحنیف:المائل إلی الدین المستقیم، والحنیف: الناسک، ویقال: ھوالمختون،ویقال:المستقیم الطریقة[165].

"ح ن ف ایک مستقیم اصل ہے یعنی میلان۔ احنف اُس شخص کو کہتے ہیں جو انگلیوں کے بل چلتا ہو۔ ایک قوم کا خیال ہے۔ اور میں اسے زیادہ صحیح سمجھتا ہوں۔ کہ پاؤں کا اندر کی طرف ٹیڑھا ہونا حنف کہلاتا ہے۔ رجُلٌ أحنف اُس شخص کو کہیں گے جس کے دونوں پاؤں اندر کی طرف ٹیڑھے ہوئے ہوں۔ حنیف وہ ہے جو مستقیم دین کی طرف مائل ہو۔ عبادت گزار، مختون اور سیدھی راہ پر چلنے والے کو بھی حنیف کہتے ہیں۔"

معلوم ہوا کہ حنیف دو متضاد معنوں کے لیے مستعمل ہے: اِستقامت اور میلان۔ قرآن مجید میں اس کا استعمال ابراہیم علیہ السلام کے لیے ان مقامات میں کیا گیا ہے: سورۃ البقرۃ ۲ :۱۳۵، سورۃ آل عمران ۳ :۶۷؛۹۵، سورۃ النساء ۴ :۱۲۵، سورۃ الانعام ۶ :۱۶۱، سورۃ یونس ۱۰ :۱۰۵، سورۃ النحل ۱۶: ۱۲۰؛۱۲۳۔

سید رشید رضا[166] لکھتے ہیں:

إنما أطلقَ على إبراهیم لأنّ الناس في عصره كانوا على طریقةٍ واحدةٍ وهي الكفر، فخالَفهم كلُّهم وتَنَكَّبَ طریقتهم ولا یُسَمَّى المائلُ حنیفاً إلاَّ إذا كان المیلُ عن الجادة المعبدة[167].

"ابراہیم علیہ السلام کے لیے اِس لفظ کا اِطلاق اِس لیے کیا گیا ہے کہ اُن کے زمانے میں لوگ ایک ہی طریقہ، طریقہ کفر کی پیروی کرتے تھے۔ اُنہوں نے ان سب کی مخالفت کی اور اُن کے طریقہ سے ہٹ کر دین مستقیم اختیار کر لیا۔ مائل کو حنیف تب کہیں گے جب وہ جادۂ مستقیم پر گامزن ہو۔"

حنیف میں بیک وقت دو متضاد معنی موجود ہوتے ہیں: میلان اور استقامت، اس لیے اسے حروفِ اَضداد میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اِن آیات میں:

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَیْرَ مُشْرِكِیْنَ بِه[168] "اللہ کی طرف یک سُو رَہو، کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔"

قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

حنفاء، أیمستقیمین على الحق أومائلین إلى الحق،ولفظ حنفاء من الأضداد،یقع على الإستقامة،ویقع على المیل[169]."

حنفاء: یعنی حق پر ثابت قدم یا حق کی طرف مائل۔ حنفاء کا لفظ اَضداد میں سے ہے۔ استقامت اور میلان دونوں کے لیے مستعمل ہے۔"

مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ حُنَفَآءَ[170] "اُسی کی خالص اطاعت کے ساتھ یک سُو ہو کر۔"

قاضی شوکانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

اس کا معنیٰ ہے: مائلین عن الأدیان کلھا إلی دین الإسلام. قال أھل اللغة: أصله أن یحنف إلی دین الإسلام، أي: یمیل إلیه[171].

"سارے اَدیان سے بے زار ہو کر دین اسلام کی طرف مائل ہونے والے۔ اہل لغت کہتے ہیں: اس کی اصل یہ ہے کہ دوسری مذاہب کو چھوڑ کر اسلام کی طرف راغب ہو جائے۔"

خَبَتٌ

امام ابن الانباری لکھتے ہیں:

خبت، حرف من الأضداد، یقال: خبت النارُ، إذا سکنت، وخبت إذا حمیت[172].

"خبت حروفِ اَضداد میں سے ہے۔ جب آگ ٹھنڈی پڑ جائے اُس وقت بھی خبت النارُ کہتے ہیں اور جب بھڑک اُٹھے تب بھی خبت النارُ کہتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

کُلَّمَا خَبَتۡ زِدۡنٰهُمۡ سَعِیۡرًا[173] "جب جب اُس کی آگ دھیمی ہونے لگے گی ہم اِس کو مزید بھڑکا دیا کریں گے۔"

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں:

1. ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خَبَت کا معنیٰ: سَکَنَت ہے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ:

أنھا تأکلھم، فإذا لم تُبْقِ منھم شئاً، وصاروا فَحماً، ولم تجد شیئاً تأکله، سکنت، فیُعادون خلقاً جدیداً فتعود لھم[174].

"آگ ان کو کھائے گی یہاں تک کہ ان میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا اور وہ کوئلہ ہو جائیں گے اور کھانے کو کچھ باقی نہ بچے گا تو آگ دھیمی پڑ جائے گی۔ جہنمیوں کو دوسری اجسام دی جائیں گی تو آگ ان پر دوبارہ حملہ کرے گی۔"

امام ابن الانباری لکھتے ہیں:

والذین یذھبون إلی أن الخب وھو السکون یقولون: معنی قوله خَبَتْ: سَکَنَتْ، ولیس في سکونھا راحةٌ لھم، لأن النار یسکن له بھا ویتضرَّم جَمرُھا، ھذا مذھب أبي عبیدة[175]."

جن مفسرین نے یہاں الخبو کو سکون کے معنیٰ میں لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ خَبتْ: سَکَنَتْ کے معنیٰ میں ہے اور اُس کے سکون میں جہنمیوں کے لیے کوئی راحت نہیں اس لیے کہ آگ کے شعلے تو دھیمے پڑ جاتے ہیں لیکن اُس کے اَنگارے خوب گرم ہوتے ہیں۔ امام ابو عبیدۃ کی رائے یہ ہے۔"

2. اس کا معنیٰ حمیت ہے۔ یہ ابو صالح کا قول ہے[176]۔

خوفٌ

امام ابن فارِس لکھتے ہیں:

الخَاء والواو والفاء أصل واحد یدل علی الذعر والفزع[177]."خ و ف: ایک ہی اصل ہے، اندیشہ، خطرہ اور نقصان پر دال ہے۔"

امام ابن الانباری لکھتے ہیں:

خِفْتُ حرفٌ من الأضداد، یکون بمعنی الشک، ویکون بمعنی الیقین[178].

"خِفْتُ اَضداد میں سے ایک حرف ہے۔ کبھی شک کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور کبھی یقین کے معنیٰ میں۔"

یہ لفظ قرآن مجید میں بھی دو متضاد معنوں میں مستعمل ہے:

1. شک اور ظن: وَلَایَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْامِمَّااٰتَیْتُمُوْھُنَّ شَیْئًااِلاَّ اَنْ یَّخَافَا اَنْ یُّقِیْمَاحُدُوْدَاللهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لاَّیُقِیْمَاحُدُوْدَ اللهِ فَلاَجُنَاحَ عَلَیْھِمَافِیْمَا افْتَدَتْ بِه[179].

"اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم نے جو کچھ عورتوں کو دیا ہے اُس میں سے کچھ واپس لو مگر اس صورت میں کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ حدودِ الٰہی کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ پس اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ وہ دونوں حدودِ الٰہی پر قائم نہیں رہ سکتے تو اُن پر اس چیز کے باب میں کوئی گناہ نہیں ہے جو عورت فدیہ میں دے دے۔"

امام طبری نے لکھا ہے کہ:

وقدذکرأنَّ ذلک في قراء ۃ أبي بن کعب: اِلاَّاَنْ یَّظُنَّا اَلاَّیُقِیْمَاحُدُوْدَ اللهِ[180]. "کہا جاتا ہے کہ سیدنا اُبی بن کعبؓ کی قراء ت اَن یَخَافَاکے بجائے اَنْ یَّظُنَّااَلاَّیُقِیْمَا حُدُوْدَاللهِ ہے۔" اور امام قرطبی لکھتے ہیں: المعنی: إن یظن کل واحد منهما بنفسه ألایقیم حق النکاح لصاحبه[181]. "معنیٰ یہ ہے کہ اگر ان دونوں میں سے ہر ایک کا یہ گمان ہو کہ وہ اپنے شریک حیات کے حق کا خیال نہ رکھ سکے گا۔"

امام طبری نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

والعربُ قد تضعُ"الظَّنَّ"موضع "الخوف"و"الخوف"موضع "الظَّنّ"في كلامها لتَقَارُبِ مَعْنَيْهِمَا[182]. "عرب کبھی کبھار ظن کو خوف اور خوف کو ظن کی جگہ استعمال کرتے ہیں اس لیے کہ یہ دونوں قریب المعنیٰ ہیں۔"

2. یقین:

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْاِعْرَاضًا[183] "اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے بے زاری یا بے پروائی کا اندیشہ ہو۔"

امام طبری نے اس آیت کے تحت لکھا ہے:

يَقُوْلُ:عَلِمَتْ مِنْ زَوْجِهَا[184]. "کہتا ہے کہ: اپنے شوہر کی طرف سے اسے یقین ہو۔"

رَاغَ

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

الرَّوغُ:الميلُ على سبيل الإحتيالِ،ومنه رَاغَ الثَّعلبُ يَرُوْغُ رَوَغَاناً،وطريقٌ رائغٌ:إذا لم يكن مستقيماً كأنه يراوغُ[185].

"الرَّوغُ: کسی تدبیر کی خاطر ایک جانب مائل ہونے کا ہے۔ اسی سے رَاغَ الثَّعلبُ يَرُوْغُ رَوَغَاناً ہے یعنی لومڑ کا فریب دہی کے طور پر اِدھر اُدھر جانا گویا وہ اپنے پیچ و خم سے فریب دے رہا ہے اور کج راستہ کو طریقٌ رائغٌ کہا جاتا ہے گویا وہ اپنے پیچ و خم سے فریب دے رہا ہے۔"

امام قطرب نے لکھا ہے:

ومنه أيضاً: راغ عليهم:أتاهم.وراغَ عنهم:ذهب وتَنَحّى[186].

"حروفِ اَضداد میں سے رَاغَ بھی ہے۔ رَاغَ عَلَيهِم کا معنیٰ ہے: اُن کے پاس آیا اور رَاغَ عَنْهُم کا معنیٰ ہے: اُن سے دور چلا گیا۔"

قرآن مجید میں یہ ان دونوں معنوں میں مستعمل ہے:

1. الإقبال على الشيئ: کسی چیز کی طرف متوجہ ہونا: فَرَاغَ اِلٰى اٰلِهَتِهِمْ[187]. "وہ نظر بچا کر اُن کے دیوتاؤں کی طرف گیا۔"

امام ماوردی نے لکھا ہے:

أقبَل عليهم[188]. "اُن کی طرف متوجہ ہوا۔"

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ[189] "پھر اُن پر قوت کے ساتھ جا پڑا اور مارنے لگا۔"

2. الذِّهابُ عن الشئ[190]: لوٹ کر واپس جانا(فَرَاغَ اِلٰی اَهْلِه[191])" پھر اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر چلا گیا۔"

رَجاءٌ

امام ابن فارِس لکھتے ہیں:

الراء والجیم والحرف المعتل أصلان متباینان یدل أحدهما علی الأمل، و الآخرعلی ناحیة الشیء[192].

"راء، جیم اور حرف معتل دو الگ الگ اصل ہیں جن میں سے ایک امید پر اور دوسرا دور ہونے پر دلالت کرتی ہے۔"

امام ابن الانباری لکھتے ہیں:

رجَوتُ: حرفٌ من الأضداد، یکون بمعنی الشک والطمع، و یکون بمعنی الیقین[193].

"رجَوتُ: اَضداد میں سے ایک حرف ہے۔ شک اور طمع کے معنیٰ میں آتا ہے اور کبھی یقین کے معنیٰ میں مستعمل ہے۔"

امام اصمعی لکھتے ہیں:

یُقال: مارجوتُ فلاناً، أي: ماأمَّلتُه، و: مارَجَوتُه أي: ماخِفتُه، وقال الله عَزَّوجَلَّ: مَالَکُمْ لاَتَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا[194]. أي: لاتخافون لِلّٰهِ عظمةً[195].

"مارجوتُ فلاناً کا مطلب یہ ہے کہ "مجھے اُس سے یہ امید نہ تھی جب کہ مارَجَوتُه کا معنیٰ یہ ہے کہ "میں اُس سے نہیں ڈرتا۔" ارشاد ربانی (مَالَکُمْ لاَتَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا[196]) کا معنیٰ ہے: تم اللہ تعالیٰ کی عظمت سے خوف کیوں نہیں کھاتے؟" علامہ ابن السکیت نے بھی یہی فرمایا ہے[197].

امام سجستانی لکھتے ہیں:

الرَّجاء یکون طمَعاً، و یکون خوفاً، وفي القرآن في معنی الطمع (وَاِمَّاتُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّکَ تَرْجُوْهَافَقُلْ لَّهُمْ قَوْلاًمَّیْسُوْرًا[198]) وقوله (وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَه وَیَخَافُوْنَ عَذَابَه[199]) وقوله (وَمَاکُنْتَ تُرْجُوْاَنْ یُّلْقٰی اِلَیْکَ الْکِتٰبُ اِلاَّرَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ[200]) أراد: الطمع[201]. "الرَّجاء: خوف اور طمع کے معنوں میں مستعمل ہے۔ قرآن مجید میں اس کا استعمال "طمع" کے لیے ہوا ہے جیسا کہ اِن آیات میں یہ طمع کے معنیٰ میں مستعمل ہے:

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّکَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلاً مَّیْسُوْرًا[202]
"اور اگر تمہیں اپنے رب کے فضل کے انتظار میں، جس کی تم کو توقع ہو، ان سے اِعراض کرنا پڑ جائے تو تم ان سے نرمی کی بات کہہ دو۔"

وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَه وَیَخَافُوْنَ عَذَابَه[203] "اور وہ اپنے رب کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔"

وَمَا کُنْتَ تَرْجُوْاَنْ یُّلْقٰی اِلَیْکَ الْکِتٰبُ اِلاَّ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ[204] "اور تم کو توقع نہیں تھی کہ تم پر کتاب اُتاری جائے۔ یہ تو بس تمہارے رب کا فضل ہوا ہے۔"

قرآن مجید میں اَلرَّجَآءُ دو متضاد معنوں میں مستعمل ہے:

1. طمع، آرزو اور توقع: جیسا کہ ان آیتوں میں: اُولٰئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللهِ[205] "یہی لوگ اللہ کی رحمت کی توقع رکھتے ہیں۔"

وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَه وَیَخَافُوْنَ عَذَابَه[206] "اور وہ اپنے رب کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔"

2. ترک، تاخیر، دور رکھنا اور ملتوی کرنا جیسا کہ ان آیتوں میں: وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللهِ[207] "اور کچھ دوسرے بھی ہیں جن کا معاملہ اللہ کے فیصلے تک ملتوی کیا جاتا ہے۔"

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُئْوِیْ مَنْ تَشَآءُ[208] "تم اِن میں سے جن کو چاہو دور رکھو اور جب کو چاہو اپنے پاس رکھو۔"

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اَلرَّجَآءُ دو مزید متضاد معنوں میں مستعمل ہے:

1. شک و طمع: وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَه وَیَخَافُوْنَ عَذَابَه[209] "اور وہ اپنے رب کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔"

2. یقین و علم: فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّه فَلْیَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا[210] "پس جس کو اپنے رب کے ملاقات کا یقین ہو اُسے چاہیے کہ نیک عمل کرے۔"

کچھ لوگوں نے یہاں رَجَآء کو شک کے معنٰی میں لیا ہے لیکن امام ابن الانباری کو اس سے اختلاف ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

قولهم عندي غیر صحیح، لأنَّ الرَّجاء لا یخرج أبداً من معنی الشک....والآیة التي احتجُّوا بها لا حُجَّة لهم فیها، لأنَّ معناها: فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ ثوابَ رَبِّه، أي: یطمع في ذلک ولا یَتَیَقَّنُه[211].

"میرے نزدیک اِن کا قول نادرست ہے اس لیے کہ رَجاء کبھی شک کے معنیٰ میں نہیں آیا اور جس آیت سے اُنہوں نے استدلال واستشہاد کیا ہے اُس میں اُن کے لیے کوئی حجت نہیں اس لیے کہ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جس کو اپنے رب کے ثواب کی توقع ہو اور یقین نہ ہو۔"

الرَّدْيُ

امام ابن فارِس لکھتے ہیں:

الرَّاء والدَّال والیاء أصل واحد، یَدُلُّ علی رميٍ أو تَرَامٍ، وما أشبه ذلک[212].

"ر۔د۔ی: ایک ہی اصل ہے جو پھینکنے پر دلالت کرتی ہے۔"

یہ کلمہ قرآن مجید میں دو متضاد معنوں میں مستعمل ہے۔

1. **الرَّدَی: تباہی، بربادی، ہلاکت، جیسے اِن آیتوں میں:**

فَلَایَصُدَّنَّکَ عَنْهَا مَنْ لاَّ یُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ فَتَرْدٰی[213] "تو اس (نماز) سے تمہیں وہ شخص غافل نہ کرنے پائے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کا پیرو ہے کہ تم ہلاک ہو کر رہ جاؤ۔"

وَذٰلِکُمْ ظَنُّکُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّکُمْ اَرْدٰکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ[214] "اور اپنے رب کے بارے میں تمہارا یہی وہ گمان ہے جس نے تم کو غارت کیا اور تم خسارے میں پڑنے والے بنے۔"

وَمَایُغْنِیْ عَنْهُ مَالُه اِذَا تَرَدّٰی[215] "اور اُس کے کیا کام آئے گا اس کا مال جب وہ کھڈ میں گرے گا؟"

امام قرطبی لکھتے ہیں:

أي: مات، یُقال: رَدِيَ الرَّجُلُ یَرْدَی، رَدًی: إذا هلک[216]. "یعنی: جب وہ مر کر ہلاک ہو جائے۔ رَدِيَ الرَّجُلُ یَرْدَی، رَدًی: کا معنیٰ ہے: ہلاک ہونا۔"

2. تقویت دینا، مدد گار بنانا: وَاَخِیْ هٰرُوْنَ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًافَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْ[217]

"اور میرا بھائی ہارون! مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے تو اُس کو بھی میرے ساتھ مدد گار کی حیثیت سے بھیج دے کہ وہ میری تائید کرے۔"

امام زجاج لکھتے ہیں:

الرِّدءُ:العَوْنُ،یُقال:رَدَأْتُه أَرْدَؤُه رِدْء اً:إِذَا أعتَنتَه[218]۔"الرِّدءُ:معاون ومددگار کو کہتے ہیں۔رَدَأْتُه أَرْدَؤُه رِدْء اًاُس وقت بولتے ہیں جب کسی کی مدد کی جائے۔"

رَهْوٌ

امام ابن درید[219] لکھتے ہیں:

واختلفوا في الرَّهْو فقالوا:هوالعلوُّ منها،وقالوا:هوالمُنْهَبِطُ منها.وهي الرَّهوةُ،إمَّا ارتفاعٌ وإمَّا هبوطٌ،كأنها من الأضداد[220].

"(اہلِ زبان نے)الرَّهْو کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔جوش اور سکون کو کہتے ہیں۔الرَّهوۃُ وہ جگہ ہے جو کبھی بلند ہو جاتی ہے اور کبھی پست۔گویا کہ یہ لفظ اَضداد میں سے ہے۔"

امام ابن فارس لکھتے ہیں:

الرَّاء والهاء والحرف المعتل أصلان،يدل أحدهما على دَعَةٍوخفض وسكون،و الآخرعلى مكان قد يتخفض ويرتفع، والرَّهوة تكون المرتفع من الأرض وتكون المنخفض، وهوحرف من الأضداد[221].

"راء،ہاء اور حرف معتل دواَصل ہیں جن میں سے ایک خفض وسکون پر دلالت کرتی ہے اور دوسری اُس جگہ پر جو کبھی بلند ہوتی اور کبھی پست ہو جاتی ہے۔الرَّهوۃ اُس زمین کو کہتے ہیں جو کہیں سے بلند اور کہیں سے پست ہوتی ہے۔یہ حروفِ اَضداد میں سے ہے۔"

قرآن مجید میں یہ لفظ ایک بار آیا ہے:

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ[222]"اور دریا کو ساکن چھوڑ دو،یہ ڈوبنے والی فوج بنیں گے۔"

اس کے ساتھ یہ آیتیں بھی پڑھ لیجیے تو سارا نقشہ واضح ہو جائے گا:

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ قَالَ كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ[223]

"پس اُنہوں نے صبح تڑکے اُن کا تعاقب کیا تو جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا: ہم تو پکڑے گئے۔موسیٰ نے کہا: ہر گز نہیں! میرے ساتھ میرا رب ہے،وہ میری رہنمائی کرے گا۔پس ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ اپنا عصا دریا پر مارو۔پس وہ پھٹ گیا اور ہر حصہ ایک بڑے تودے کے مانند بن گیا اور وہیں دوسروں کو قریب لائے۔"

زَوْجٌ

امام ابن فارس لکھتے ہیں:

الزّاء والواو والجیم أصل یدل علی مقارنة الشیئ لشیء، من ذلک الزوج : زوج المرأة ، والمرأة زوج بعلها وھوالفصیح،و یقال: لفلان زوجان من الحمام یعني:ذکر وأنثی[224].

"ز۔و۔ج ایک ایسی اصل ہے جو چیزوں کے مقارَنۃ اور مطابَقت یعنی جوڑا ہونے پر دلالت کرتی ہے۔زوج بیوی کو بھی کہتے ہیں اور شوہر کو بھی۔یہ فصیح ہے۔زَوْجَانِ مِنَ الْحَمَامِ کا استعمال نر اور مادہ کبوتروں کے لیے کیا جاتا ہے۔"

قرآن مجید میں بھی یہ لفظ دو مختلف جہتوں میں مستعمل ہے:

1. مؤنث،مادہ،بیوی:قُلْنَا یٰاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ[225]"اور ہم نے کہا: آدم!تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔"

اس آیت میں زوج سے مراد بیوی ہے۔قرآن مجید میں اسی معنٰی میں یہ کئی جگہ مستعمل ہے۔

2. مذکر،نرینہ،شوہر:قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِھَاوَتَشْتَکِیْ اِلَی اللّٰہِ[226]"بے شک اللہ نے اُس عورت کی بات سن لی جو تم سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑتی تھی اور اللہ سے شکوہ کرتی تھی۔"

یہاں زوج سے مراد مذکر یعنی شوہر ہے جو سیدنا اوس بن الصامتؓ[227] ہیں جنہوں نے اپنی بیوی سے ظہار[228] کیا تھا۔

حواشی وحوالہ جات

1 معجم مقاییس اللغۃ:۴/۵۷۔۔۔مجمل اللغۃ: ۴۳۲

2 تاریخ بغداد ۳ :۲۹۸۔۔۔الاعلام ۷ :۹۵

3 تاریخ بغداد ۱۰ :۴۱۰۔۔۔الاعلام ۴ :۱۶۲

4 بُغیۃالوُعاۃ ۲ :۶۱

5 بُغیۃالوُعاۃ ۲ :۲۵۱

6 ہدیۃ العارفین ۲ :۵۳۷

7 وفیات الاعیان ۲ :۴۳۰
8 وفیات الاعیان ۴ :۳۱۳
9 وفیات الاعیان ۴: ۱۴۳
10 تاریخ بغداد ۹ :۴۲۸
11 بُغیۃ الوُعاۃ ۲ :۸۶
12 بغیۃ الوعاۃ ۲ :۵۸۶
13 الفوائد البہیۃ:۱۰۸-۱۰۹، ترجمہ:۱۲۱
14 انباہ الرواۃ ۳ :۲۷۶

15 علامہ جوہری لکھتے ہیں:والحُوَّةُ لونٌ یُخالط الكُمتة،مثل صدأالحدید،وقال الأصمعي:الحُوَّةُ حُمرةٌ تضرب إلى السواد، والحُوَّةُ:سُمرةُ الشَّفة.یُقال: رجلٌ أحوىٰ وامرأةٌ حَوَّاء،وقدحَوِیَتْ وبعیرٌ أحوىٰ:إذاخالَطَ خُضرته سوادٌ و صُفرةٌ.(الصحاح ۶ :۲۳۲۲)

16 سورۃ الاعلیٰ ۸۷ :۴-۵
17 سورۃ الکہف ۱۸ :۱-۲
18 التفسیر الکبیر ۱۱ :۱۲۹-۱۳۰

19 الفراء لکھتے ہیں:إذاصارالنبتُ یبساًفهوغثاء.والأَحوىٰ:الذي قداسودَّ عن العتق،ویکون أیضاً:أخرج المرعیٰ أحوىٰ،فجعله غثاءً، فیکون مؤخراًمعناه التقدیم.(معانی القرآن,فراء ۳ :۲۵۶---تہذیب اللغۃ،ازہری ۵ :۱۹۰)

20 الاضداد:118،برقم:۶۶
21 تہذیب اللغۃ ۱۵ :۳۷
22 سورۃ البقرۃ ۲ :۲۶
23 سورۃ المائدۃ ۵ :۱۱۶
24 سورۃ سبا ۳۴ 3: ۵۱
25 سورۃ سبا ۳۴: ۳۱
26 سورۃ التوبۃ ۹: ۴۰
27 سورۃ الاعراف ۷ :۶۸
28 سورۃ مریم ۱۹ :۱۶
29 سورۃ المائدۃ ۵ :۲۰

30 سورۃ النساء ۲۴:۴

31 سورۃ آل عمران ۳: ۸

32 سورۃ الزلزال ۹۹: ۴

33 سورۃ الزخرف ۴۳: ۳۹

34 مغنی اللبیب ۱: ۹۴-۹۸

35 سورۃ یونس ۱۰: ۲۱

36 سورۃ طہ ۲۰: ۲۰

37 سورۃ الروم ۳۰: ۲۵

38 سورۃ الروم ۳۰: ۴۸

39 مغنی اللبیب ۱: ۱۰۲-۱۰۸۔۔۔ البرہان فی علوم القرآن ۴: ۱۹۰

40 القاموس المحیط ۲: ۱۷۶۶

41 سورۃ آل عمران ۳: ۱۵۶

42 سورۃ الجمعۃ ۶۲: ۱۱

43 سورۃ التکویر ۸۱: ۱

44 سورۃ النجم ۵۳: ۱

45 سورۃ اللیل ۹۲: ۱-۲

46 البرہان فی علوم القرآن ۴: ۱۹۱

47 معجم مقاییس اللغۃ: ۸۷۶

48 الاضداد: ۳۷۷-۳۷۸، برقم: ۲۸۷

49 سورۃ آل عمران ۳: ۴۹

50 معجم مقاییس اللغۃ: 31

51 الاضداد لابن الانباری: ۶۹ برقم: ۱۶۹۲۔۔۔ ذیل الاضداد للصغانی: ۲۳۳، برقم: ۳۸۱

52 سورۃ النحل ۱۶: ۱۲۰

53 تفسیر القرطبی ۱۰: ۱۷۵

54 مسند ابی یعلیٰ ۴: ۴۱، حدیث: ۲-۱۷(۲۰۴۷)

55 زید بن عمرو بن نُفَیل بن عبد العزیٰ قرشی عدوی، زمانہ جاہلیت میں بہت بڑے حکیم اور عورتوں کے حقوق کے عَلَم بردار تھے۔ عمر بن خطابؓ کے چچیرے بھائی تھے۔ اسلام کا زمانہ نہیں پایا۔ بتوں کی عبادت کے منکر تھے

اور نذر لغیر اللہ کو حرام سمجھتے تھے۔ صحیح دین کی تلاش میں کافی سفر کیے۔یہودیت اور نصرانیت نے انہیں کچھ بھی متاثر نہیں کیا۔مکہ مکرمہ واپس آکر دین ابراہیمی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہے۔رسول اکرم ﷺ نے اُن سے ملاقات کی ہے۔۱۷ قبل ہجری/۶۰۶ء کو وفات پائی۔

(اسد الغابۃ ۲ :۲۰۳، ترجمہ (۱۸۱۶)۔۔۔الاعلام ۳ :۶۰)

56 سورۃ القصص ۲۸ :۲۳

57 سورۃ الانبیاء ۲۱ :۹۲۔۔۔سورۃ المؤمنون ۲۳ :۵۲

58 تفسیر القرطبی ۱۲ : ۱۱۷

59 سورۃ الزخرف ۴۳ : ۲۲

60 علی بن محمد بن حبیب ابو الحسن الماوردی۔اپنے زمانے میں سب سے بہتر اور مشہور چیف جسٹس تھے۔عالم اور باحث تھے۔بکثرت علمی اور مفید کتابیں لکھیں۔364ھ/۹۷۴ء کو بصرہ میں پیدا ہوئے۔بغداد منتقل ہوئے۔بہت سے شہروں میں عہدۂ قضا پر فائز رہے۔عباسی خلیفہ قائم بامر اللہ کے دور میں چیف جسٹس کے عہدے پر فائز ہوئے۔اِعتزال کی طرف میلان تھا۔عرق گلاب کا کاروبار کرنے کی وجہ سے الماوردی سے شہرت پائی۔۴۵۰ھ/۱۰۸۵ء کو بغداد میں فوت ہوئے۔

(وفیات الاعیان ۳ :۲۸۲۔۔۔الاعلام ۴ :۳۲۷)

61 سورۃ البقرۃ ۲ : ۲۱۳

62 التفسیر الماوردی ۱ :۲۷۱

63 الاضداد:۲۷۰-۲۷۱

64 معجم مقاییس اللغۃ:۳۷۰

65 سورۃ آل عمران ۳: ۱۵۴

66 زاد المسیر ۱ :۳۳۷

67 تفسیر القرطبی ۴ :۲۳۶

68 سورۃ الروم ۳۰: ۴

69 سورۃ ابراہیم ۱۴ :۲۲

70 تأویل مشکل القرآن:14 ۵۱۴

71 سورۃ النساء ۴ :۱۱۷

72 سورۃ التوبۃ ۹ : ۱۰۷

73 سورۃ المجادلۃ ۵۸ :۲

74 سورۃ الملک ۶۷ : ۲۰

75 سورۃ یوسف ۱۲ :۳

76 سورۃ الاحقاف ۴۶ :۲۶

77 سورۃ الاعلیٰ ۸۷ :۹

78 حافظ ابن کثیر نے اس آیت کے تحت لکھاہے: أي:ذَكِّرْحيثُ تنفعُ التذكرة.ومن هاهنا يؤخَذُالأدبُ في نشرالعلم فلايضعه عندغيرأهله یعنی جب تک نصیحت مفید ہو تب تک نصیحت کرتے رہا کرو اور یہاں سے علم کی نشرواشاعت کے سلسلے میں یہ ادب مأخوذ ہے کہ اسے نااہلوں سے دور رکھا جائے۔ (تفسیر ابن کثیر ۱۴ :۳۲۳)

79 الاضداد:۱۸۹–۱۹۰

80 سورۃ البقرۃ ۲ :۲۵۹

81 سورۃ الکہف ۱۸ :۱۹

82 سورۃ یونس ۱۰ :۲۴

83 سورۃ سبا ۳۴ :۲۴

84 معجم مقاییس اللغۃ:۸۴

85 الاضداد، ابن الانباری:۳۳۱، رقم:۲۲۱۔۔۔ذیل الاضداد، الصغانی:۲۲۳، برقم:۳۸۶

86 سورۃ النور ۲۴ :۳۲

87 التفسیر البسیط ۱۶ :۲۲۶

88 تفسیر القرطبی ۱۲ : ۲۱۸

89 صحیح مسلم، کتاب النکاح (۱۶) باب استئذان الثیب فی النکاح (۹) حدیث:۶۶–(۴۱۲۱)

90 الاضداد: 2۳۲۔۳۳۳

91 معجم مقاییس اللغۃ:۱۲۴

92 الاضداد: ۱۰۷، برقم:۶۲

93 سورۃ البقرۃ ۲ : ۲۷

94 سورۃ البقرۃ ۲ : ۵۲

95 سورۃ الانبیاء ۲۱: ۱۰۵

96 تفسیر طبری ۱۲ : ۴۳۸۔۔۔الاضداد سجستانی:۱۴۶، برقم:۲۴۲

97 سورۃ النازعات ۷۹ : ۳۰

98 زاد المسیر ۴ :۳۹۷

99 سورۃ الانبیاء ۲۱ : ۱۰۵

100 سورۃ القلم 68 :13

101 سورۃ البقرۃ ۲ :85

102 الاضداد:۱۸۱، برقم:112

103 سورۃ البقرۃ: ۲ : 36

104 سورۃ آل عمران ۳ : ۳۴

105 سورۃ الزخرف ۴۳ :۶۳

106 تفسیر ابن جریر ۱۱ : ۲۰۷، نص : ۳۰۹۶۷۔۔۔ تفسیر القرطبی ۱۶ :۹۴

107 مجاز القرآن ۲ :۲۰۵۔۔۔ التفسیر البسیط ۲۰ :۱۷

108 سورۃ المؤمن ۴۰ : ۸۲

109 الاضداد:75، برقم:۳۸

110 الاضداد، اصمعی: ۵۲، برقم: ۸۱۔۔۔ الاضداد، ابن السکیت: ۲۰۴، برقم: ۳۵۴۔۔۔ ذیل الاضداد، صغانی: ۲۲۵ ، برقم: ۴۰۶

111 سورۃ البقرۃ ۲ :۲۵۵۔۔۔ سورۃ الحج ۲۲ :۷۶

112 سورۃ سبا ۳۴ :۹

113 سورۃ الانعام ۶ :۹۴

114 الاضداد:52، برقم:۸۱

115 تفسیر طبری ۵ :۴۷۲، فقرات: ۱۳۵۷۸، ۱۳۵۸۱، ۱۳۵۸۴

116 تفسیر القرطبی ۷ :۴۰

117 معجم مقاییس اللغۃ: ۱۰۸

118 الاضداد: ۴۱۵، برقم: ۳۳۸

119 الاضداد: ۱۳۱، برقم: ۱۹۶۔۔۔ ذیل الاضداد: ۱۳۱، برقم: ۱۹۶۔۔ لسان العرب ۲ :۶۱

120 سورۃ البقرۃ ۲ :۵۴

121 سورۃ البقرۃ ۲ :۲۲۲

122 المفردات: ۹۸

123 المفردات: ۹۸-۹۹

124 سورۃ الجن ۷۲:۱-۱۴

125 سورۃ الجن ۷۲ :۱

126 سورۃ الصافات ۳۷ :۱۵۸

127 تفسیر ابن جریر ۱۰:۵۳۵

128 زاد المسیر ۳ :۵۵۵

129 الاضداد: ۳۳۴-۳۳۵

130 سورۃ الصافات ۳۷ :۱۵۸

131 بدائع الفوائد ۱ :۳۶

132 سورۃ الصافات ۳۷ :۱۵۸

133 سورۃ بنی اسرائیل ۱۷ :۸۸

134 سورۃ الرحمن ۵۵ :۳۹

135 سورۃ الرحمن ۵۵ :۷۴

136 سورۃ الجن ۷۲:۵

137 الاضداد: ۲۱، برقم: ۳

138 سورۃ المائدۃ ۵ :۱۷

139 حسن بن احمد بن عبد الغفار ابو علی۔ فارسی الاصل ہیں۔ فارس کے "فسا" نامی گاؤں میں ۲۸۸ھ / ۹۰۰ء کو پیدا ہوئے۔ ۳۰۷ھ میں بغداد اور ۳۴۱ھ میں حلب کا سفر کیا جہاں کچھ عرصہ تک سیف الدولۃ کے پاس رہے۔ وہاں سے فارس لوٹ آئے۔ عضد الدولۃ بن بویہ کی صحبت اختیار کی اور انہیں علم نحو کی تعلیم دی۔ پھر بغداد آئے جہاں ۳۷۷ھ / ۹۸۷ء کو وفات پائی۔ علم عربیت کے مانے ہوئے امام ہیں۔

(وفیات الاعیان ۲ :۸۰۔۔۔ الاعلام ۲ :۱۷۹)

140 حمزہ بن حبیب بن عمارہ بن اسماعیل التیمی الزیات۔ بنو تیم کے موالی میں سے تھے، اس نسبت سے تیمی کہلائے۔ ۸۰ھ / ۷۰۰ء کو پیدا ہوئے۔ قراءات میں نام پیدا کیا۔ قراءِ سبعہ میں سے ہیں۔ ۱۶۵ھ / ۷۷۳ء کو حلوان میں وفات پائی۔ (معرفۃ القراء الکبار ۱ :۲۵۰، ترجمہ: ۵۱۔۔۔ الاعلام ۲ :۲۷۷)

141 علی بن حمزہ بن عبد اللہ اسدی بالولاء، ابو الحسن، کسائی۔ لغت، نحو اور قراءت کے امام ہیں۔ کوفہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں حاصل کی۔ بڑی عمر میں علم نحو حاصل کیا۔ بغداد میں رہائش اختیار کی۔ ۱۸۹ھ / ۸۰۵ء کو ۷۰ سال کی عمر میں "رے" میں وفات پائی۔

(تاریخ بغداد ۱۱ :۴۰۳۔۔۔ الاعلام ۴ :۲۸۳)

142 الحجۃ للقراء السبعۃ ۲ :۱۲۹

143 مشکل اِعراب القرآن: ۱:۶۴۱

144 زاد المسیر ۱ :۵۷۰

145 سورۃ العنکبوت ۲۹ :۲

146 سورۃ العنکبوت ۲۹ :۴

147 سورۃ الزخرف ۴۳ :۸۰

148 سورۃ الشعراء ۲۶ :۱۱۳

149 الوجوہ والنظائر لالفاظ الکتاب العزیز: ۱۷۰

150 سورۃ الکہف ۱۸ :۴۰

151 سورۃ النبا 87 :27

152 قاموس القران: ۱۷۱

153 معجم مقاییس اللغۃ: ۲۴۷

154 تہذیب اللغۃ ۴ :۱۰۵

155 الاضداد: ۱۴۷، برقم: ۲۴۴

156 سورۃ النمل ۲۷ :۱۷

157 سورۃ التکویر ۸۱ :۵

158 التفسیر البسیط ۲۳ :۲۵۴

159 حجۃ اللہ البالغۃ ۲ :۲۱۳، کتاب الفتن

160 معجم مقاییس اللغۃ: ۲۲۷

161 سورۃ البقرۃ ۲ :۴۲

162 سورۃ البقرۃ ۲ :۱۴۴

163 سورۃ البقرۃ ۲ :۶۱

164 زاد المسیر ۱ :۷۲

165 معجم مقاییس اللغۃ: ۲۶۷

166 محمد رشید رِضا بن علی رضا بن محمد شمس الدین بن محمد بہاء الدین بن منلا علی خلیفہ القلمونی، بغدادی الاصل اور الحسینی النسب ہیں۔ طرابلس (شام) میں ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء کو القلمون میں پیدا ہوئے۔ وہاں پلے بڑھے اور وہیں اور طرابلس میں تعلیم حاصل کی۔ 1315ھ میں مصر جا کر شیخ محمد عبدہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر لیے۔

ہند، حجاز مقدس اور یورپ کے سفر کیے۔ مصر میں رہائش اختیار کی۔ ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء کو سویس سے قاہرہ واپس لوٹتے ہوئے اچانک موٹر میں وفات پائی۔ (الاعلام ٦ :١٢٦)

167 التفسیر المنار ١ :٤٨٠

168 سورۃ الحج ٢٢ :٣١

169 فتح القدیر ٢ :١٨٤

170 سورۃ البینۃ ٩٨ :٥

171 فتح القدیر ٢ :١٢٧٢

172 الاضداد: ١٧٥، برقم ١٠٨

173 سورۃ بنی اسرائیل ١٧ :٩٧

174 زاد المسیر ٣: ٥٦

175 الاضداد: ١٧٦، برقم: ١٠٨

176 الاضداد: ١٧٥، برقم: ١٠٨

177 معجم مقاییس اللغۃ: ٣١٧

178 الاضداد: ١٣٧، برقم: ٨١

179 سورۃ البقرۃ ٢ :٢٢٩

180 تفسیر الطبری ٢ :٤٧٤، نص: ٤٨١٠

181 تفسیر القرطبی ٣ :١٣١

182 تفسیر الطبری ٢ :٤٧٤، نص: ٤٨١٠

183 سورۃ النساء ٤ :١٢٨

184 تفسیر الطبری ٤ :٣٠٤

185 المفردات: ٢٠٨

186 الاضداد، قطرب: ١٤٨، رقم: ١٩٨

187 سورۃ الصافات ٣٧ :٩١

188 النکت والعیون ٥ :٥٧

189 سورۃ الصافات ٣٧ :٩٣

190 الاضداد، قطرب: ١٤٨، رقم: ١٩٨۔۔۔ الاضداد، ابن الانباری: ١٩٢، رقم: ٩٢

191 سورۃ الذاریات ٥١ :٢٦

192 معجم مقاییس اللغۃ: ۴۲۴
193 الاضداد: ۱۶، برقم: ۲
194 سورۃ نوح ۷۱: ۱۳
195 الاضداد: ۳۲، برقم: ۹۲
196 سورۃ نوح ۷۱: ۱۳
197 الاضداد: ۱۷۹، برقم: ۳۰۱
198 سورۃ بنی اسرائیل ۱۷: ۸
199 سورۃ بنی اسرائیل ۱۷: ۵۷
200 سورۃ القصص ۲۸: ۸۶
201 الاضداد: ۸۰، برقم: ۱۱۰
202 سورۃ بنی اسرائیل ۱۷: ۲۸
203 سورۃ بنی اسرائیل ۱۷: ۵۷
204 سورۃ القصص ۲۸: ۸۶
205 سورۃ البقرۃ ۲: ۲۱۸
206 سورۃ بنی اسرائیل ۱۷: ۵۷
207 سورۃ التوبۃ ۹: ۱۰۶
208 سورۃ الاحزاب ۳۳: ۵۱
209 سورۃ بنی اسرائیل ۱۷: ۵۷
210 سورۃ الکہف ۱۸: ۱۱۰
211 الاضداد: 17، برقم: ۲
212 معجم مقاییس اللغۃ: ۴۲۸
213 سورۃ طہ ۲۰: ۱۶
214 سورۃ حم السجدۃ ۴۱: ۲۳
215 سورۃ اللیل ۹۲: ۱۱
216 تفسیر القرطبی ۲۰: ۷۷
217 سورۃ القصص ۲۸: ۳۴
218 معانی القرآن واعرابہ ۴: ۱۴۴۔۔۔زاد المسیر ۳: ۳۸۴

219 محمد بن الحسن بن درید الازدی من ازد عمان من قحطان، ابو بکر، بصرہ میں ۲۲۳ھ / ۸۳۸ء کو پیدا ہوئے۔ وہاں سے عمان منتقل ہوئے، جہاں بارہ سال تک رہے، وہاں سے بصرہ، پھر فارس اور بغداد گئے۔ بغداد ہی میں ۳۲۱ھ / ۹۳۳ء کو وفات پائی۔(ارشاد الاریب ۶ :۴۸۳۔۔۔الاعلام ۶ :۸۰)

220 الاشتقاق:۴۰۵

221 معجم مقاییس اللغۃ:۵۰۴

222 سورۃ الدخان ۴۴ :۲۴

223 سورۃ الشعراء ۲۵ :۶۰-۶۴

224 معجم مقاییس اللغۃ:۴۴۳

225 سورۃ البقرۃ ۲ :۳۵

226 سورۃ المجادلۃ ۵۸ : ۱

227 اوس بن صامت بن قیس بن اَصرم اَنصاری خزرجیؓ۔ عبادۃ بن صامتؓ کے بھائی ہیں۔ بدر اور دوسرے غزوات میں شریک رہے ہیں۔ فصیح و بلیغ شاعر تھے۔ بیت المقدس میں رہائش تھی۔ ۳۴ھ کو ۷۲ سال کی عمر میں رملۃ میں وفات پاگئے۔(اسد الغابۃ ۱ :۱۹۹، ترجمہ:۳۰۸)

228 ظہار: اپنی بیوی سے کہنا: أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّيْ. یعنی تجھ کو اگر ہاتھ لگایا تو گویا اپنی ماں کی پیٹھ کو ہاتھ لگایا۔ زمانہ جاہلیت میں بیوی کو اس طرح بات کہہ دینے سے ایسی طلاق پڑجاتی جس کے بعد بیوی لازماً شوہر سے جدا ہوجاتی۔ قرآن مجید نے اسے طلاق تو قرار نہیں دیا البتہ ایسا کہنے پر جرمانہ عائد کیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظِہار کر بیٹھے پھر وہ اُس چیز کی طرف لوٹنا چاہے جس کو اُس نے حرام ٹھہرایا تو اس کو اس سے پہلے کفّارہ کے طور پر ایک غلام آزاد کرنا ہوگا اور غلام میسر نہ آئے تو لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے اور اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔(سورۃ المجادلۃ ۵۸ :۱-۴)

جاری ہے..........................